



# المُتَطَهَّر

خصوصی شمارہ

مُحَرَّمُ الْحَرَامِ سَنَةِ ۱۴۱۵ھ



قَالَ خَلْفُ بْنُ خَلِيفَةَ عَنْ أَبِيهِ لَمَّا قَتَلَ الْحُسَيْنَ إِسْوَدَّتِ السَّمَاءُ

وظَهَرَتِ الْكَوَاكِبُ نَهَارًا. (تهذيب التهذيب، ابن حجر عسقلانی، جلد ۲ صفحہ ۳۵۴)

خلف بن خلیفہ کہتا ہے کہ جس وقت امام حسینؑ کو شہید کیا گیا، آسمان سیاہ اور تارے دن میں نکل آئے تھے۔

# عاشوراء - یوم حسینؑ

تاریخ بشریت کے المناک اور حادثات اور واقعات میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس کی یاد اتنی عظمت و شکوہ کے ساتھ منائی جاتی ہو جس بے پناہ عظمت و شکوہ کے ساتھ ہر سال کربلا کے جانکاہ حادثے کی یادگار منائی جاتی ہے اور جس میں عورت، مرد، جوان، بوڑھے، اور کم سن بچے تک بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ گھروں، مسجدوں، مدرسوں، اماں بارگاہوں کو چوں اور بازاروں میں اس واقعہ کی یاد میں مجالس عزاداری ہرپاکی جاتی ہیں خطباء، دانشور اور شعرا اس موضوع پر تقریریں کرتے اور شعرا نوحے، ماتم، مرثیے، سوز اور سلام پڑھتے ہیں۔ اہل قلم، اہل فن اور مصنفین تو بیکھرتے ہیں۔ صدیوں کے سفر کے بعد بھی اس واقعہ کو ان مجالس میں بار بار دہرائنا بھی اسے کبھی کے نزدیک نہیں ہوتے دیتا اور ہمیشہ یہ واقعہ سننے والوں کو نازہ و سوس ہوتا ہے اور اس واقعہ کے اعتبار اور اہمیت میں ذرہ برابر کمی نہیں واقع ہوتی بلکہ ہر دور میں اس کے روز افزوں عظمت اور فلسفے میں بلند ترین معانی اور اہم ترین مقاصد کا زعفران اور ایک کیا جاتا ہے بلکہ ایمان سننے والے کو ایک نیا عزم اور نیا حوصلہ عطا کرتا ہے۔

یوم حسینؑ ایک یادگار ہے جسے صدیوں کے آثار چھٹا ڈھکی ڈھبلا سکے۔ روز عاشوراء کا دلدار واقعہ وہ واقعہ ہے جس نے صاحبان ایمان، عاشقان فضیلت و عظمت اور مجاہدان حق و حقیقت کو سر جھکا کر مجبور کر دیا اور ایسا شعل نوزین گیا جو صدیوں سے عظیم رہنماؤں اور اصلاح پسند رہبروں کے لئے چراغ ہدایت بنا ہوا ہے اور حیرت و استعجاب اور سراسیمگی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھی مقصد کی جانب راہنمائی کرتا رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حسین علیہ السلام نے جو عظیم کارنامہ انجام دیا وہ تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں بلکہ ایک بے مثل اقدام اور ایسا کارنامہ ہے جس کی نظیر تاریخ بشریت میں نہیں ملتی۔

یہ ایک ایسا خدا پسند اقدام تھا جس کو عالم الوہیت، سکّان دائرہ مملکت اور ملّا و اعلیٰ کے رہنے والوں نے انسانیت کے کمال کی عظیم تہمتی قرار دیا اور شہسوارانِ فضائل انسانیت، صاحبان عقل و فہم اور اہل بصیرت، انبیاء اور لو العزم، اولیائے کرام اور اصلاح و ہدایت کی راہ میں شہادت کے درجے پر فائز ہونے والوں نے اسکو ایک ایسا مثالیہ قرار دیا ہے جو ایک ہی شخصیت پر منحصر ہے اور جسے قوت آزادی، عزم و استقلال، ثبات و استقامت، کمال ایمان، صبر، جانا بازی اور شجاعت و شہامت میں بے مثل و بے عدیل قرار دیا ہے۔ جو خواص ایمان، واضح مردانگی، وفا، بلند معنی، استقامت، پائیداری کے ساتھ ظلم و ستم اور جور و جفا کے مقابلے میں ڈٹ جانا، انسانی تاریخ کے غم انگیز واقعات میں بہت ہی نمایاں اور منارہ نور کی مانند روشن نظر آتا ہے اور جس کے مقصد کی عظمت، نفس کی پاکیزگی و طہارت، دنیائے دنی اور مادیات سے بے اعتنائی کا انداز اور عزت و شرافت کے ساتھ موت کو لذت آمیز زندگی پر ترجیح دینے کا شعار واضح اور شکار ہے۔ اس واقعہ کی شرح کرنا اصل میں انسان کے روحی کمالات کی شرح اور نام نہاد مادیات، ظالم واری اور دنیاوی لذات کی تحقیر، کفر و شرک اور ستم و استبداد کی کھلی مذمت سے عبارت ہے اور جانکاہ حادثے کی تاریخ، مبرا تحقیقی سے مثالی لگاؤ اور پروردگار عالم کی عظمت و جبروتیت کی راہ میں قربانی کی تاریخ ہے۔ یہ ایسی فداکاری اور جانا بازی ہے جو تمام عمر زمین کے معاشروں کو ظلم و ستم سے نجات دلانے کا پیش خیمہ ہے۔ لہذا یہ بات حیرت انگیز نہیں اگر اس کی آواز چار دانگ عالم میں گونج اٹھی ہے اور اذان کی مانند اب بھی کانوں سے گونج رہی ہے۔ اگرچہ تیرہ سو سال کا عرصہ گزر چکا لیکن اب بھی مقررین اور اہل قلم کے بیانات کا سلسلہ جاری و ساری ہے اور اس کی اہمیت و عظمت اب تک لوگوں کے دلوں کو برما رہی ہے۔ اور ان لوگوں پر جنہوں نے احکام خدا کے نفاذ اور ترویج و اشاعت کے لئے اپنی جانوں کی قربانیاں اور سر دھڑکی بازی لگا کر جام شہادت نوش کیا۔ ارباب ایمان ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔

وہ ایسے جوان تھے جن کو دنیا کی چمک دمک اور تلوار کی دھار، نیزے کی ایڑوں پر گرنے والی موت کے بھیانک چہرے بھی باطل کے سانسے کبھی جھکا نہ سکے۔ اور جتنی چیزیں بھی ارادوں میں ضعف پیدا کرنے کا باعث ہوتی ہیں چاہے وہ جاہ و منصب اور اقتدار و حاکمیت ہو یا زور و زلن، زمین ہو یا پھر اولاد و احفاد ہوں انہوں نے ان سب سے منہ موڑ کر روح کی آزادی کا مقام حاصل کر لیا۔ ان کے مد مقابل ایسے پست فطرت اور ذلت کے پجاریوں کا گروہ تھا جن کے نفوس غلاظت میں ڈوبے ہوئے تھے، جن کی روحیں اقتدار کی غلامی اور مادی لذائذ کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں، وہ ضمیر کی آزادی کے مفہوم اور ضمیر کی بیداری سے بالکل بے بہرہ تھے۔ انہیں خدا کے صالح بندوں کو قتل کرنے میں چلبے وہ بوڑھے ہوں یا جوان یا بیخوابیچے، کوئی عار نہ تھا۔

ماؤیت کے ان غلاموں کی نگاہ میں اس معرکہ خیر و شر میں دشمنان دین کا مارتھے، ان کی نظریں ایمان و عقیدہ جس نے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بے مثال استقامت اور فداکاری کا منظر بنا دیا تھا، اس کی کوئی حقیقت نہ تھی اور ان کی نگاہ میں وہ جانکاہ واقعہ ان کی نام نہاد فتح و کامرانی کے ساتھ روز عاشوراء ہی ختم ہو گیا تھا۔ لیکن حقیقت میں نگاہوں اور فضائل کی تاریخ میں نیز انسانی روح کی بلند پروازی کے نقطہ نگاہ اور قرآن اور اسلام کے آئین و اصول کے مطابق امام حسین علیہ السلام کو ایسی فتح حاصل ہوئی جس میں شکست کے تصور کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ ارباب شرف و فضیلت کی نظر میں انسان اور انسانیت کی قدر و قیمت، مادی مفادات اور فناء ہوجانے والی لذتیں نہیں بلکہ ان لوگوں کی میزان میں نفع و نقصان اور شکست و فتح کا اس انداز سے تو نا قطعاً درست نہیں۔

حق و حقیقت کے ترازو میں ہر شخص کا پلڑا اتنا ہی بھاری ہوتا ہے جتنا وہ قوت ایمانی اور عزم و ارادے کی پختگی

# عزاداری کے بارے میں چند مسائل کا ازالہ

بن جو کبھی سرد نہیں ہوگی۔ پھر فرمایا: میرے (ماں) باپ خدا ہوں اس پر جو ہر گزبہ وزاری کا سرچشمہ ہے۔ لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: کشتہ گریہ وزاری کے معنی کیا ہیں؟ رسول خدا نے فرمایا کہ کوئی بھی مومن انہیں یاد نہ کرے گا مگر یہ کہ گریہ وزاری کے ساتھ۔

اس حدیث شریف کو اٹھویں صدی ہجری کے بزرگ دانشمند جناب شمس الدین محمد عالمی نے (متوفی ۷۸۶ ہجری) جنہیں شیخ محمد بن یوسف قرشی شافعی نے "مجمع المناقب والکمالات وجامع علوم دنیا و آخرت" کا لقب دیا ہے، اپنی کتاب مجموعہ میں شیخ ابو علی محمد بن ابی بکر ہمام بن سہیل کا لقب اسکافی (متوفی ۳۳۶ ہجری) جو تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم اہل سنت محدث عبدالرزاق کے شاگرد ہیں، ان کی کتاب "الاتوار" سے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کے راوی احمد بن ابی ہریرہ باہلی نے ابراہیم بن اسحاق سے، انہوں نے حماد بن اسحاق انصاری سے، انہوں نے ابن اسنان سے اور انہوں نے امام صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔

ہمارے بارہ محترم جناب عبدالغفار صاحب کو اس حدیث نے تعجب میں ڈال دیا لیکن اس حدیث کی صحت کی تائید بخاری نے "الادب المفرد" میں اور ابن ماجہ نے اپنی "سنن" کے باب فضائل اصحاب رسول خدام میں ترمذی نے اپنی "سنن" کے باب مناقب امام حسن و امام حسین میں، حاکم نے اپنی مستدرک جلد ۳ ص ۱۶۱ پر اور احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد ۲ ص ۱۶۱ پر کی ہے، اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے بزرگ محدثین نے یعنی بن مرہ اور جابر بن عبداللہ وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ دعوت میں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں آپ نے امام حسین علیہ السلام کو دیکھا کہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ رسول خدا بڑی تیزی سے بڑھے اور چاہا کہ امام حسین علیہ السلام کو گود میں لے لیں لیکن امام علیہ السلام ہنستے ہوئے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ اس سے رسول خدا کو بھی ہنسی آگئی اور آپ کو مسرت حاصل ہوئی۔ بالآخر آپ نے امام حسین علیہ السلام کو چکڑ لیا اور اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ خداوند متعال اسے دوست رکھتا ہے جو حسین کو دوست رکھے۔ حسین میرے نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے۔"

## دوسرے سوال کا جواب:

کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے امام حسین علیہ السلام کی ولادت اور شہادت سے قبل ان کی عزاداری و ماتم کیونکر برپا کی؟

عصر حاضر کے ایک فاضل جناب عبدالغفار صاحب نے ۲۱ جون ۱۹۹۳ء کے اخبار "ہندوستان" میں "استقبال عزا" کے مطالب کے بارے میں چند اعتراضات شائع کئے ہیں۔ جو کہتا ہے موصوف کے ایک طرز مطالعہ نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جو اس لئے ہمارے لئے لازمی ہو گیا ہے کہ ان کی ان غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیں۔

موصوف کے پانچ سوالوں پر مبنی اعتراضات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(۱) کیا "إِنَّ لِقَتْلَ الْحُسَيْنِ حَرَارَةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَبْرُدُ أَبَدًا" حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس کی سند کیا ہے؟

(۲) انبیاء علیہم السلام کا ولادت امام حسین علیہ السلام سے قبل عزاداری کرنا بے معنی بات ہے؟

(۳) اسلام کے بنیادی اصول نماز، روزہ، حج وغیرہ ہیں۔ بقاءے اسلام انہیں کی ادائیگی میں ہے نہ کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری میں بقاءے اسلام مضمر ہے۔

(۴) امام حسین علیہ السلام کی عزاداری و ماتم حرام ہے؟

(۵) عزاداری اور قیام ماتم حسین علیہ السلام کا دین سے کوئی ربط نہیں ہے۔ انسان کو چاہیے کہ قرآن و حدیث کی پیروی کرے نہ کہ علماء کی سنت کی۔

اب ہم موصوف کے درج بالا اعتراضات کے جواب تحریر کر رہے ہیں تاکہ عزاداری کی بنیاد اور اساس ہر کس و نا کس پر واضح ہو جائے اور سنت عزاداری اور سینہ زنی روایات معتبرہ سے بے خبری اور غفلت کی بناء پر فراموشی نہ کر دی جائے۔

## پہلے سوال کا جواب:

إِنَّ لِقَتْلَ الْحُسَيْنِ حَرَارَةً فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لَا تَبْرُدُ أَبَدًا (شہادت امام حسین علیہ السلام سے مومنوں کے دل میں وہ حرارت ہے جو کبھی سرد نہیں ہوگی)۔ یہ فصل حدیث کا ایک جزء ہے جسے امام صادق علیہ السلام نے رسول اکرم سے نقل کیا ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے:

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت جب امام حسین علیہ السلام آرہے تھے، ان پر نظر ڈالی اور انہیں اپنے دامن میں لیا اور فرمایا: شہادت امام حسین علیہ السلام سے مومنوں کے دل میں وہ حرارت

اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ عبد الغفار صاحب پیغمبر ان الہی کو عام انسانوں کی طرح تصور کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ پیغمبر ان خدا مستقبل کے حالات سے بے خبر ہوتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی جانب سے انہیں علم عطا کیا گیا تھا جس کے ذریعہ وہ مستقبل کے حالات سے باخبر تھے۔ خوشی میسر کرنے والے حالات و حوادث سے خوش، اور آئندہ پیش آنے والے مصائب سے ناراحت و غمگین ہوتے تھے۔

متواتر حدیثیں اس بات کی شاہد ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر گریہ فرمایا جبکہ رسول خدا کا گریہ کرنا واقعہ کر بلا سے پہلے تھا۔

دسویں صدی ہجری کے مشہور و بزرگ عالم جناب علاء الدین متقی ہندی نے اپنی کتاب "کنز العمال" میں ابن ابی شیبہ کی کتاب "المصنف" کے حوالہ سے زوج رسول خدا جناب ام سلمہؓ سے روایت کی ہے۔ آپ فرماتی ہیں: امام حسین علیہ السلام خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس وقت تشریف لائے جب میں دروازہ کے قریب بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھیلی میں کوئی چیز ہے اور آپ اسے حرکت دے رہے ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام رسول خدا کی گود میں سو رہے تھے میں نے (ان سے) سوال کیا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک جبرئیلؑ میرے لئے اس زمین کی خاک لائے جس پر حسین قتل کئے جائیں گے اور مجھے خبر دی کہ میری امت انہیں قتل کرے گی۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۹)۔

آٹھویں صدی ہجری کے بزرگ عالم حافظ نور الدین ہشیمی شافعی نے طبرانی کے حوالہ سے زوج رسول خدا جناب عائشہ سے اس طرح روایت کی ہے: حسین بن علی علیہما السلام خدمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس وقت حاضر ہوئے جب آنحضرت پر وحی الہی نازل ہو رہی تھی۔ حسین علیہ السلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت و گردن پر سوار ہو گئے۔ جبرئیل نے (رسول خدا سے) دریافت کیا: کیا آپ ان (امام حسینؑ) کو دوست رکھتے ہیں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیونکر اپنے فرزند کو دوست نہ رکھوں جبرئیل نے عرض کیا: یقیناً آپ کی امت آپ کے بعد انہیں (امام حسینؑ) کو قتل کر دے گی پھر جبرئیل نے اپنے ہاتھ کو بڑھایا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاک سفید پتیلی کیا اور فرمایا: اس زمین پر آپ کا فرزند قتل کیا جائے گا۔ اس زمین کا نام "طف" ہے۔ جبرئیل کے جانے کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے۔ اپنے ہاتھ میں وہی خاک لئے ہوئے تھے اور گریہ فرما رہے تھے اور فرما رہے تھے: اے عائشہ! جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا فرزند حسینؑ سرزمین "طف" پر قتل کیا جائے گا اور میری امت میرے بعد امتحان میں مبتلا ہوگی۔ اس کے بعد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گریہ کرتے ہوئے اپنے اصحاب کے پاس باہر تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت حذیفہ، حضرت عمار اور حضرت ابوذر وہاں موجود تھے۔ ان حضرات نے دریافت کیا: اے رسول خدا آپکے گریہ کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھے خبر دی کہ میرا فرزند

حسینؑ میرے بعد سرزمین "طف" پر قتل کیا جائے گا اور میرے لئے اس تربت کو لائے اور فرمایا کہ یہ خاک ان کے جائے قبر کی ہے۔ (صحیح الزوائد جلد ۹ ص ۱۸)

محدث بزرگ حاکم نیشاپوری نے جناب ام فضل سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ام فضل نے خواب دیکھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے ایک حصہ جدا ہو کر ان کے دامن میں جاگرا۔ انہوں نے اس خواب کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کیا۔ رسول خدا نے ان سے فرمایا: تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے۔ انشاء اللہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بیان ایک بچہ تولد ہوگا اور وہ بچہ تمہاری گود میں پلے گا جناب ام فضل فرماتی ہیں جناب فاطمہؓ کے بطن سے امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ پھر اس بچہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطاب میری گود میں دیا گیا۔ پھر ایک روز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور امام حسینؑ کو ان حضرتؓ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول خدا نے مجھے دیکھا اس وقت ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ میں نے (ام فضل) عرض کیا: اے پیغمبر خدا! میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ کو کیا ہول ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: میرے پاس جبرئیلؑ تشریف لائے اور مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کر دے گی۔ میں نے دریافت کیا: اس فرزند کو؟ فرمایا: ہاں۔ اور جبرئیلؑ میرے لئے سرخ رنگ کی خاک بھی لائے۔

(مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۱۶۹)

کیا یہ تینوں روایتیں اس بات کے ثبوت کے لئے کافی نہیں کہ انبیاء کرام، بافضول رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنا پر شہادت امام حسین علیہ السلام سے باخبر تھے۔ ان کی مصیبت پر غمگین ہوئے اور گریہ و زاری کیا۔

### تیسرے سوال کا جواب:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ دین اسلام کے مسلم عملی اصول ہیں سے ہیں اور کوئی مسلمان اس کی تردید نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا ایسی چیزیں ہیں جو کا تعلق اعتقادی اور قلبی ہو جیسے خدا کی یکتائی، حضرت ختمی مرتبت کی رسالت، خدا و رسول خدا اور اہل بیت رسول خدا کی محبت بھی عملی واجبات ہیں۔ کیا مرتبے میں اسلام کے عملی اصول سے بالاتر نہیں ہیں؟ قرآن اور روایات اس بات کی شاہد ہیں کہ ایمان کو عمل پر سبقت حاصل ہے۔ نیک عمل کے قبول ہونے کی شرط صحیح ایمان ہے اور خدا پیامبر و معاد پر صحیح عقیدہ ہونا، شرک و کفر سے انکار کرنا اور دشمنان اسلام سے دشمنی رکھنا اور خدا و پیغمبر و اہلبیت پیغمبر سے محبت کرنا، خدا تبارک و تعالیٰ سے عمل صالح، ایمان کی تکمیل کرنے والا اور اسے بلند مرتبہ پر پہنچانے والا ہے۔ علاء الدین متقی ہندی بلند مرتبہ عالم اہل سنت نے اپنی کتاب کنز العمال میں بزرگ مورخ و محدث اہل سنت ابن عساکر کے حوالے سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا نے فرمایا: اے علی! اسلام برہنہ ہے، اس کو چھپانے والا تقویٰ ہے اور اس کا لباس ہدایت ہے اور اس کی زینت حیاء ہے اور اس کا ستون پرہیزگاری ہے اور اس کی اساس عمل صالح ہے۔ اسلام کی بنیاد میری محبت اور

میرے اہلبیت کی محبت ہے۔ (کنز العمال جلد ۱۳ ص ۶ اور جلد ۶ ص ۲۱۵)۔

امام الحدیث احمد بن حنبل نے رسول خدا ص سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپ نے اپنے چچا زاد بھائی مطلب بن ربیع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔  
 ”خدا کی قسم کسی مسلمان کے دل میں ایمان داخل نہ ہو گا جب تک کہ خدا کے لئے اور مجھ سے ارتباط رکھنے کے لئے میرے اہلبیت سے دوستی (کا اظہار) نہ کرے“  
 (مسند احمد جلد ۳ ص ۲۱۵)۔

حدیث گرانقدر حافظ جلال الدین سیوطی نے طبرانی کے حوالے سے رسول خدا ص سے حدیث نقل کی ہے کہ رسول خدا ص نے فرمایا: ”ہمارے اہلبیت سے محبت برقرار رکھو۔ پس جو خدا سے ایسی حالت میں ملاقات کرے کہ ہمیں دوست رکھتا ہو، باری شفاعت کی بنا پر بہشت میں داخل ہو گا۔ قسم اس کی، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کوئی بھی اپنے عمل سے راہ حق نہ حاصل کر سکے گا مگر ہم اہلبیت کے حق کی شناخت سے۔ (احیاء المیت: حدیث ۱۸)۔

اس بنا پر اگرچہ ستون دین نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دیگر واجبات دینی ہیں تو ان ستون کی اساس و بنیاد صحیح ایمان و اعتقاد ہے اور اس کے تحت محبت اہلبیت ہے اور چونکہ امام حسینؑ بغیر کسی شک و شبہ کے، رسول خدا ص کے اہلبیت میں ہیں لہذا ان حضرت سے محبت، ان سے دلی لگاؤ اور ان سے دوستی کا اعلان متواتر احادیث کی رو سے دین کی اساس اور ایمان کی ضروری و لازمی شرط قرار پاتی ہے۔

اب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قرآن و دین کے دستور کے تحت امام حسین علیہ السلام کو دوست رکھے اور اپنے دل کی گہرائیوں سے ان حضرت سے محبت رکھے تو کیا یہ ممکن ہے کہ ان حضرت کی مصیبتوں کا عزا دار نہ ہو؟  
 اس لئے ہم کہتے ہیں اگرچہ نماز روزہ، زکوٰۃ، حج، ستون دین ہیں اور ان کا قائم کرنا بقائے اسلام ہے۔ روایات کی تعبیر سے ثابت ہے کہ بطور کلی محبت اہلبیت اور محبت امام حسین علیہ السلام اور ان کے مصائب پر عزا داری جو محبت اہلبیت کی ایک شاخ ہے، اسلام کی اساس و بنیاد ہے، اس کا قائم کرنا شرط بقاء اور بقائے اسلام ہے۔

### چوتھے سوال کا جواب:

اس سوال کا جواب گذشتہ سوال کے جواب سے بھی واضح ہو جا تا ہے۔ کیونکہ خداوند متعال قرآن میں سورہ شوریٰ کی ۲۳ ویں آیت میں فرماتا ہے:۔  
 (اے رسول) تم کہہ دو کہ میں اس (تبلیغ رسالت) کا اپنے قرائنداروں (اہلبیت) کی محبت کے سوا تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ اس آیت کی بنا پر محبت اہلبیت پیامبر اور ان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی محبت خدا کے حکم کے مطابق واجب ہے اور محبت کا بہترین اظہار، محبوب کی خوشی میں خوش ہونا اور اس کی مصیبتوں میں غم و اندوہ کا اظہار کرنا ہے۔ لہذا امام حسین علیہ السلام کا غم اور ان کا ماتم ہر مسلمان پر، جو قرآن مجید کے سورہ شوریٰ کی ۲۳ ویں آیت پر اعتقاد رکھتا ہے، واجب اور ضروری ہے۔

حقیقتاً یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان نص قرآن و روایات کے خلاف کس طرح جرات کرتا ہے (اس مضمون میں ان روایات سے چند روایتیں

مختصر طور پر نقل کی گئی ہیں) کہ محبت امام حسینؑ اور ان حضرت کی عزا و ہر مسلمان کے ایمان کا جز ہے، حرام قرار دے! مجھے تعجب ہے کہ وہ شخص قیامت کے دن کس طرح رسول خدا ص اور ان کے اہلبیت کے سامنے آئے گا اور کس طرح ان کی مدد اور شفاعت کی امید رکھے گا۔ کیا قرآن مجید میں حضرت یعقوبؑ کا واقعہ موجود نہیں؟ جناب یعقوبؑ اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کی جدائی سے ایک مدت تک گریہ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ آنکھیں سفید ہو گئیں جبکہ حضرت یوسفؑ نہ تو پیاس کی شدت سے بے حال ہوئے تھے، نہ بدترین حالت میں قتل کے گئے تھے، نہ ان کے فرزند ان کے ہاتھ پر قتل کئے گئے تھے نہ ان کا جسد مبارک گھوڑوں کے سون سے پامال کیا گیا تھا، نہ ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کیا گیا تھا، نہ ان کے بیٹوں کو جلا یا گیا تھا۔

برادر عزیز جناب عبدالغفار صاحب اب آپ ہی بتائیے کہ سنت جناب یعقوبؑ کی پیروی کرتے ہوئے ہم غم حسین علیہ السلام میں کتنا گریہ کریں؟

رسول خدا ص شہادت امام حسینؑ کے واقعہ ہونے سے قبل بار بار گریہ فرمایا ہے جناب فاطمہ زہراؑ نے، بغیر اکرمؑ کی رحلت کے بعد اتنا گریہ فرمایا کہ ابن سعد کی روایت کے بموجب انہیں ایک دن بھی مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ امام زین العابدینؑ بن حسینؑ اپنے پدر کی شہادت پر تمام عمر گریہ فرماتے رہے اور جب کبھی کوئی کسی کو سفند کا سر جھڑکتا تو آپ زار و قطار گریہ کرتے اور فرماتے ”میرے پدر بزرگوار کا سر (بیزبوں نے) اسی طرح جھڑکیا۔ رسول خدا ص کے فرزند کو اس طرح قتل کیا۔

اب ہم برادر مکرم جناب عبدالغفار صاحب سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ہم عزا و ماتم جو سنت اسلامی ہے، سنت رسول خدا ص، سنت جناب فاطمہ زہراؑ، سنت امام زین العابدینؑ، سنت جناب یعقوبؑ سے، اس کے صرف آپ کے فتوے کی پیروی کریں اور عزا و ماتم کو ترک کر دیں اور مصائب امام حسینؑ پر گریہ نہ کریں، ان کے عزا دار نہ بنیں اور ان پر ماتم نہ کریں۔

### پانچویں سوال کا جواب:

درج بالا مطالب امام حسین علیہ السلام کی عزا داری حقیقت و واقعیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں اور دین کے صحیح ہونے میں ہر طرح شک و شبہ کو ختم کرتے ہیں لہذا عزا داری امام حسینؑ دین اسلام کی ایسی سنت ہے جسے ڈانڈتے قرآن و سنت میں ملتے ہیں۔ نیز اسلام کے جید علمائے اس کی صحت کی تائید کی ہے۔ اس لئے اس سنت کا فراموش کرنا اور عزا داری امام حسینؑ کا برہان کرنا کجی کی نشانی اور کج فکری ایمان کے ٹیڑھے پن کی علامت ہے۔ محبت اہلبیت کا نہ ہونا دستور دین و قرآن کے خلاف ہے۔ رسول خدا ص (کا امام حسینؑ پر گریہ کرنے) کی سنت کے خلاف ہے۔ امام حسینؑ کا ماتم کرنا دین کی پیروی نہیں، اگر تم کی پیروی اور ارباب ایمان کے دستور کی پیروی ہے یہ سب جدا جدا چیزیں ہیں۔ آخر میں ہم برادر محترم جناب عبدالغفار صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ کسی دینی مسئلے میں جب تک ایک غیر جانبدار تحقیق نہ فرمائیں اور تقلید سے ہرگز کام نہ لیں ورنہ سارے اعمال کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہے گا۔ اہلسنت والجماعت کی معتبر کتابوں مثلاً مہمل الحین مصنفہ اخطب خطیب مفتی بن احمد خوارزمی حنفی، ترقۃ العین فی البکاء علی الحین مصنفہ محمد سین توحی حنفی، سواد العین فی رثاء الحین مصنفہ ابو بکر حفصی شافعی، فصل ترجمۃ الامام حسینؑ از تاریخ دمشق مصنفہ ابن عساکر اور دوسری کتابوں اور مقالات کی طرف رجوع کریں۔ (بقیہ صفحہ دیگر)

# تذکرہ حضرت زینب علیہا السلام

## کے چند القاب

صدیقہ الصغریٰ، العصمة الصغریٰ،  
ولیة اللہ، ناموس الکبریٰ، امینة اللہ،  
الراضیة بالقدر والقضاء، عالمة غیر معلمہ،  
فہمۃ غیر مفہمہ، محبوبۃ المصطفیٰ،  
قرۃ عین المرتضیٰ، ناسبۃ الزہراء،  
شقیقۃ الحسن المجتبیٰ، شریکۃ المسین  
سید الشہداء، زاہدہ، فاضلہ، عاقلہ،  
کاملہ، عالمہ، عابدہ، محدثہ، مخیرہ،  
موثقتہ، کعبۃ الرزایا، مظلومہ، وحیدہ،  
عقیلۃ القریش، ابائکیم، الفصیحہ، البلیغۃ  
الشجاعہ، رضیعۃ ثدی الولایتہ۔

نام، زینب۔ زینب، دو جز سے مرکب ہے۔ زین۔ اب۔ یعنی  
باپ کی زینت۔ ہر چیز کی زینت اس کی حیثیت اور منزلت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔  
محل کی زینت اور جھوٹے کی زینت میں فرق ہے۔ شاہ و فقیر کی زینت میں فرق  
ہے۔ مسجد اور گھر کی زینت میں فرق ہے۔ مسجد اور کعبہ کی زینت میں فرق ہے۔  
اس کے علاوہ ماڈی زینت اور معنوی زینت میں فرق ہے۔ انسان کی واقعی زینت  
اس کے فضائل و کمالات سے عبارت ہے۔

حضرت علی علیہ السلام کی ذات اقدس تمام فضائل و کمالات کی مجموعہ  
ہے۔ کوئی صفت کمال ایسی نہیں جو حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں موجود نہ ہو  
ایسی ذات جو ہر طرح سے آراستہ اور مزین ہو اگر کوئی شخصیت اس کی زینت بنے تو اس  
کی حد و انتہا کیا ہوگی۔ کردار اور کمالات میں کس قدر یکسانیت ہوگی۔ بعض لوگوں  
نے لکھا ہے باپ اور بیٹی میں اس قدر یکسانیت اور یکانگت ہے کہ الف  
کا لفظی فاصلہ بھی برداشت نہیں ہے۔ اس لئے زین اب۔ زینب ہو گیا حضرت  
علیؑ فضائل و کمالات کی زینت اور جناب زینب حضرت علیؑ کی زینت۔

دین اسلام کی تبلیغ و ترویج اور دوام و بقا میں حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ  
حضرت عیسیٰؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ، حضرت ابوطالب، حضرت علیؑ بن ابی طالب  
علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام اور ان کی بے پناہ زحمات، صبر و برداشت، ثبات  
قدم نظر آتے ہیں۔ وہاں انہیں ذوات مقدرہ کے نقش قدم پر چلتی ہوئی جناب  
ہاجرہؑ آسیہ بنت مزاحم جناب صفوراؑ، جناب مریمؑ جناب خدیجہؑ جناب فاطمہؑ  
الزہراءؑ سلام اللہ علیہن جمعین بھی نظر آتی ہیں۔ ان کی قربانیاں آسمان تاریخ پر روز  
روشن کی طرح درخشاں اور تابندہ ہیں۔ اسی تعاون کی ایک کڑی حضرت امام حسین  
بن علی علیہ السلام اور ان کی بہن جناب زینب بنت علی سلام اللہ علیہما ہیں جس شجر  
اسلام کو انبیاء و اہل عہدہ السلام کے معصوم ہاتھوں نے لگایا تھا جس کو اپنی قربانیوں  
سے سچا تھا جب اس درخت کو اسلام کے دیرینہ دشمن اسلام کی نقاب پہن کر کاٹنے  
لگے تو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی شہادت و قیادت کے ذریعہ اس کی حفاظت  
کی اور جناب زینبؑ نے ظالم و جاہل کے دربار میں، سرعام ظالم و جاہل کو ذلیل  
و خوار کر کے قیامت تک اسلام کو ملنے کی ہر کوشش کی ناکامی کا اعلان کر دیا اور  
شجر اسلام کو سدا بہار بنا دیا۔

کسی تمہید کے بغیر ذیل میں جناب زینب سلام اللہ علیہا کے چند القاب کی  
وضاحت پیش خدمت ہے:

لقب انسان کی خصوصیات کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ انبیاء، اولیاء علیہم السلام  
اور علماء اعلام کے القاب ان کی خصوصیات کے آئینہ دار ہیں۔ (آج کے دور کی  
بات الگ ہے۔ عقیدت مند کوئی بھی لقب دے دیتے ہیں اور ان کی دل شکنی کے  
احساس سے لوگ قبول بھی کر لیتے ہیں) اس سلسلے میں المتطہر شعبان ۱۴۱۱ھ میں بھی  
اشارہ کر چکے ہیں۔ علما نے جناب زینب سلام اللہ علیہا کے بعض القاب اس طرح  
ذکر کئے ہیں۔

چند القاب اور ان کی وضاحت پیش کر رہے ہیں:



# پہلی مجلس سلام جناب امیر مومنین علیؑ

معاویہ کی ہلاکت کے بعد یزید نے جیسے ہی سلطنت کی باگ ڈور سنبھالی سب سے پہلے اس نے مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کو معاویہ کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمن بن ابوبکر اور امام حسین علیہ السلام سے بلا تاخیر بیعت لینے کا حکم دیا۔ ولید نے امام علیہ السلام کو بلا کر یزید کا پیغام سنایا۔ امام علیہ السلام نے بیعت سے انکار کرتے ہوئے مدینہ ترک کرنے کا حتمی فیصلہ فرمایا اور مع اہل و عیال مکہ معظمہ چلے گئے مکہ معظمہ میں قیام کی خبر اور بیعت یزید سے انکار کی اطلاع کو سنے ہوئے، کوفہ والوں نے پے در پے خطوط بھیجنا شروع کر دیا جس میں کوفہ آنے کی دعوت پر اہم ارادے لگے تاکہ کوفہ پہنچ کر امت کی مسؤلیت کا بار اپنے کانڈھے اٹھائیں۔

اگرچہ امام حسین علیہ السلام کوفہ والوں کی فطرت سے بخوبی واقف تھے۔ اور آپ اس سے بھی واقف تھے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا، پھر بھی ایک امام اور سربراہ امت ہونے کے ناطے آپ کا فریضہ تھا کہ آپ ان کی آواز پر لیتیک کہیں کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو نقص عہد کرنے والے اور پیمان شکنی کے عادی اہل کوفہ پر خدا کی حجت تمام نہ ہوتی۔ چونکہ کوفیوں کا تقاضا شدید تھا اور اسی کے ساتھ ساتھ امام علیہ السلام کوفیوں کے مترنزل عہد و پیمان کے بارے میں پورا پورا علم بھی تھا اس لئے پہلے آپ نے خاندان نبوت کی ایک پاکیزہ اور معتبر شخصیت جناب مسلم بن عقیل کو اپنے نائب کی حیثیت سے کوفہ روانہ کیا تاکہ امت سجت ہو جائے اور آپ مکہ میں مقیم رہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کا ہر قدم منصوبہ بند تھا اسی لئے جب تک نئے حالات اور شرائط وجود میں نہ آئیں آپ وہیں قیام پذیر رہیں۔ امام علیہ السلام نے مکہ معظمہ کو ہمیشہ کے لئے سکونت کے طور پر منتخب نہیں فرمایا تھا۔ اب وہ وقت آگیا تھا کہ آپ مکہ معظمہ سے کوچ کریں، مگر نصف رمضان گزر جانے کے بعد نہیں بلکہ ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو، اس روز تک جس دن طے شدہ منصوبہ کو بخوبی عملی جامہ پہنانا ممکن ہو اور اس عظیم خوش قیام انقلاب کے لئے مکمل طور پر زمین ہموار ہو جائے۔

حضرت سید الشہداء نے جب جناب مسلم کو کوفہ بھیجنے کا قصد کیا تو کوفہ کے سربراہ اور وہ افراد کے نام خط تحریر فرمایا اور حضرت مسلم کو اپنے نمائندہ اور اپنے خاص نائب کی حیثیت سے متعارف کرایا تاکہ وہ لوگ کوفہ کے عوام کے روبرو اس خط کو پڑھیں۔ اس خط کا متن یہ ہے :-

۱۱ تمہارے خطوط مجھ تک پہنچے، جو کچھ لکھا تھا اس سے باخبر ہوا، اب

میں اپنے سبھائی اور چچا کے فرزند، جو اہل بیت کی ایک فرد ہیں اور مجھے ان پر پورا پورا اعتماد ہے۔ مسلم بن عقیل کو تمہاری جانب روانہ کر رہا ہوں اور ان سے کہہ دیا ہے کہ تمہارے فیصلے اور تمہاری رائے سے مجھے مطلع کریں۔ پس اگر انہوں نے ارباب محل و عقد اور صاحبان عقل کی رائے کے بارے میں لکھا اور تمہاری رائے وہی ہے جن کا تم لوگوں نے اپنے خطوط میں اظہار کیا تھا تو میں جلد ہی تم لوگوں تک پہنچ رہا ہوں۔ کوفہ والو! میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ وہ شخص امت کی رہبری اور امامت کی لیاقت و اہلیت ہی نہیں رکھتا جس کا کردار خدا کی کتاب قرآن کے مطابق نہ ہو اور جس کی اپنی حکومت کا طریقہ کار عدل و انصاف پر مبنی نہ ہو، نیز دین خدا کی پابندی اور صحیح طریقہ کار کا پابند نہ ہو۔

اس خط میں امام حسینؑ کو اہل کوفہ کی نظر میں جہاں ایک طرف جناب مسلم بن عقیل کے منصب سفارت اور ان کی منزلت کو مستحکم اور مضبوط بنانا مقصود تھا وہیں خط کے آخر میں امت کے قائد اور معاشرے کے رہبر کے بارے میں خصوصی بحث فرمائی ہے اور تحریر فرمایا کہ منصب امامت کی اہلیت وہی شخص رکھتا ہے جس کا عمل کتاب خدا کے مطابق ہو اور اس کی حکومت کی بنیاد عدل و انصاف پر ہو۔ اس فقرے سے امام کا یہ مقصد تھا کہ معاشرے کے افکار کو اس انداز سے حکومت کے بارے میں جو اسلام کی اہم ترین بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے، توجہ دلائے، اور ان لوگوں کو یزید کی بیعت قبول کرنے سے روک دیں کیونکہ اسلامی معاشرے کی رہبری کے لئے یزید جیسے ناکارہ شخص کی نااہلی جملہ اقرار پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔

اس خط میں جو فرزند پیغمبر نے اہل کوفہ کو لکھا تھا ہو سکتا ہے کہ حسین علیہ السلام کو وہ حادثہ یاد آیا ہو جس کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے نزدیک خداوند عالم کی بارگاہ میں مناجات کی تھی اور جس میں کہا تھا: خدا یا! توجہ تاج ہے کہ امت اسلامیہ کے لئے کیا حادثہ پیش آیا ہے؟ حسین علیہ السلام بھی اس حادثے سے اچھی طرح باخبر تھے۔ فرزند فاطمہ زہراؑ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت تک بار بار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر زبان پر لایا کرتے تھے لیکن اس خط میں ان حضرات صلوات اللہ علیہ نے اپنی تمام گفتگو اور تحریروں کی خود تفسیر فرمائی ہے اور ان منکرات کی نشاندہی فرمائی ہے جس سے آج اسلامی معاشرہ دوچار رہتا۔ اور

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندانہ پاک کی حمایت میں جو تحریک شروع ہوئی ہے اسے کچل دے۔

زیادہ کا ناپاک بیٹا سکون فریب کو بروئے کار لاتے ہوئے کوفہ میں داخل ہوا۔ اور براہ راست دارالامارہ کا رخ کیا۔ چونکہ اس وقت تک اس کی فوجی طاقت قابل لحاظ نہ تھی اس لئے ہر قسم کے مکر و فریب، دجل و غدر، شیطنت و ابلیسیت اور خوف و دلاہل کو کام میں لاتے ہوئے یزید کی فوجی قوت اور عسکری طاقت سے کوفہ والوں کو موعوب کر لیا۔ چنانچہ تھوڑی مدت میں یزید کی حکومت کو بھرپور مستحکم کر لیا اور جناب مسلم علیہ السلام کی حمایت میں ان کے گرد لوگوں کو آسانی کے ساتھ پرانہ کر دیا اور سنادی نے پورے کوفہ میں یہ اعلان کر دیا:

”کوفہ والو! یزید کی بیعت کر لو، اس سے پہلے کہ وہ اپنی طاقت و فوج شام سے روانہ کرے اور تم لوگوں کو چٹن چٹن کر موت کے گھاٹ اتار دے اور تمہاری عورتیں قیدی بنالی جائیں، (ناسخ التواریخ حالات سید الشہداء)۔

ابن زیاد کے لئے محض ایک بے بنیاد اور بے اصل دھمکی سے یہ ممکن ہو سکا کہ جناب مسلم کے گرد جمع ہونے والے افراد کو پرانہ کر دے البتہ صرف ایک ہی مرد جری تھا جو جناب مسلم کی نصرت پر ثابت قدم رہا۔ وہ ہیں جناب ہانی ابن عوہ، جنہوں نے ان کی حمایت میں اپنی جان دے دی اور انہیں حضرت کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ پسر زیاد نے جناب مسلم کو اس ناپاک کے حوالے نہ کرنے کی بنا پر سخت دھمکانا اور سخت دست کہا اور بولا: اگر مسلم کو میرے حوالے نہ کیا تو تیرے لئے پنج نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ان بھیانک حالات میں بھی جناب ہانی نے جو انہری اور شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم، ہرگز نہیں کہیا تو مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے مہمان کو تیرے حوالے کر دوں اور تو اسے تیرے گھر لے کر آئے اور ایسے ذلیل اور سواکن عمل کو اپنے لئے قطعاً نہیں پسند کروں گا۔ پھر فرمایا:

وَيْلَكُمْ لَوْ كَانَتْ رَجُلِي عَلَى طِفْلِ هِنِّ آلِ الرَّسُولِ  
لَا أَدْفَعُهَا حَتَّى تَقَطَّعَ۔ (ناسخ التواریخ حالات سید الشہداء)

یعنی: افسوس تمہارے حال پر، اگر میرے پیرے کے نیچے آل رسول کا کوئی بچہ چھپا ہو تو میں ہرگز اس پیر کو نہیں اٹھاؤں گا یہاں تک کہ میرا پر کٹ جائے۔

ہانی بن عوہ اپنی جو انہری اور خاندان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارادت و عقیدت کے جرم میں عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے اس عالم میں کہ سر سے پتیک زخموں سے جو رقیہ خانے میں بھجوا دیئے گئے۔ چونکہ وہ کوفہ کی سربراہ اور وہ شخصیتوں میں تھے اور قبیلہ ”مدح“ کے سردار تھے اسی لئے ان کی گرفتاری کی خبر سے قبیلہ مدح اور ان کے حامیوں میں غصہ کی لہر دوڑ گئی اور چار ہزار مسلح نوجوانوں نے دارالامارہ کو گھیر لیا اور ہانی کو صحیح و سالم دیکھنے کا مطالبہ کرنے لگے۔

### قاضی شریح کی تاریخی خیانت

یہ بہترین موقع تھا جب ابن زیاد کی شرمناک حکومت کا جو لوگ اپنی گردنوں سے ہمیشہ کے لئے آثار پھینکتے اور امت اسلامہ اس آفت و مصیبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آسودہ ہو جاتی۔ لیکن قاضی شریح کی تاریخی خیانت اور عظیم گناہ

اس حادثہ پر پڑا ہوا پردہ بھی اٹھا دیا جس میں اسلامی معاشرہ مبتلا تھا۔ وہ حادثہ اور وہ منکر جس کی اصلاح اور جس سے روکنے کے لئے امام حسین علیہ السلام نے قدم اٹھایا اس میں اسی حساس موضوع کے متعلق تھا جس کی جانب اپنے اس خط میں اشارہ فرمایا:

”فَلَعَصْرِي مَا الْإِمَامُ الْأَعْمَلُ بِالْكِتَابِ وَالْقَامِعِ  
بِالْقِسْطِ وَالذَّائِبِينَ بِيَدِ الْحَقِّ“

یعنی میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں امامت اور رہبری کا وہی حقدار ہوتا ہے جو کتاب خدا پر عمل کرتا ہو۔ عدل و انصاف پر قائم ہو اور دین حق کا پابند ہو۔  
یقیناً وہ تازہ حادثہ اور وہ منکر عظیم ہے شک وہ انحراف اور کجی ہے جو حکومت اسلامی میں امت کے لئے درپیش آئی ہو وہ حکومت جو اپنے صحیح اور حقیقی محور کے بالکل خلاف قائم کی گئی ہو اور جس کا اس درٹیں اور سربراہ یزید جیسا ہو، جو نہ تو آسانی کتاب اور اس کے آئین و قوانین کی کوئی پرواہ کرتا ہو اور نہ ہی عدل و انصاف سے کوئی رابطہ رکھتا ہو، نیز نہ حق کی روش کو اختیار کی ہو اور نہ ہی صحیح دین سے واقفیت رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام حسین علیہ السلام مجبور ہو کر حکومت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اور ایک رہبر اور پیشوا کے شرائط کے بارے میں بحث کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

### اہل کوفہ کی عہد شکنی

اپنے پیشوا کے فرمان کے مطابق جناب مسلم بن عقیل مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہوتے ہیں۔ سعودی تحریر کرتے ہیں:

”مسلم بن عقیل پندرہ رمضان کو مکہ معظمہ سے نکلے۔ مختلف مصائب و آلام اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے وارد کوفہ ہوئے۔ ابتدا میں آپ کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا گیا اور اہل کوفہ نے بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ ایک ایک کر کے سبھوں نے امام علیہ السلام کے نائب خاص اور نمائندہ خصوصی کے ہاتھوں پر بیعت کی اور ثابت قدم رہنے کا اعلان بھی کیا۔ اتنی تیزی کے ساتھ بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوا کہ بقول سعودی:

”اہل کوفہ میں سے بارہ ہزار افراد نے مسلم بن عقیل کے ہاتھوں پر بیعت کی۔“  
(مروج الذهب جلد ۲ طبع مصر ۱۳۱۷ھ)

مورخین کی ایک جماعت نے بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۸ ہزار لکھی ہے۔  
(ابن اثیر کامل جلد ۲ طبع مصر ۱۳۱۷ھ)

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا چاہئے کہ پہلے تو اس قدر گرم جوشی کے ساتھ استقبال کیا لیکن بہت ہی مختصر کی مدت میں اس قدر سرد مہری کا مظاہرہ کیا جیسے جناب مسلم ان کے لئے اجنبی ہوں۔ جب کوئیوں نے جناب مسلم سے وفاداری میں خطرہ محسوس کیا تو اسی تیزی کے ساتھ ان کا ساتھ چھوڑ دیا جس کی نظیر تاریخ اقوام میں کم ملتی ہے اور اگر ملتی ہے تو شاید وہاں۔ جب یزید کو حسین علیہ السلام کے خصوصی نمائندہ کے کوفہ میں ورود اور اتنی جلدی مسلم کی کامیابی کی اطلاع ملی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کوفہ کا گورنر نعمان بن بشیر اس قدر ناپاک اور جسور نہیں کہ مسلم کے مقابلے میں کوفہ اور اس کے اطراف میں اپنا تسلط قائم رکھ سکے تو پلید ترین اور زنا زاد عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کی گورنری کے لئے بھی مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ کوفہ کی بناوٹ کو فرو کر دے اور

خون کا پیسا اور سفاک دشمن اپنی تمام قدرت اور سارے اختیار کے ساتھ  
کمر سی پر بیٹھا ہوا تھا جب جناب مسلم کو جواز سزا یا زخموں سے چور تھے  
ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تو ایک ناپاک دربان نے ان سے کہا:

”مَسْلَمٌ عَلَى الْكَاهِنِ“ امیر کو سلام کرو۔

آپ نے فرمایا: اَسْكُتْ وَنَجِكَ وَاللَّهِ مَا هُوَ لِي بِأَمِيرٍ  
خاموش رہ، افسوس تیرے حال پر، یہ میرا امیر نہیں۔ تو ابن زیاد نے کہا:  
چاہے سلام کرو یا نہ کرو، تمہیں ضرور قتل کیا جائے گا۔

جناب مسلم نے فرمایا: وَإِنْ قَتَلْتَنِي فَلَقَدْ قَتَلَ مَنْ هُوَ  
شَرٌّ مِنْكَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي۔ اگر تو مجھے قتل کرے گا تو کوئی تعجب  
کی بات نہیں کیونکہ تجھ میں بوسب سے بدتر تھا وہ میرے سب سے بہتر  
کو قتل کر چکا ہے۔

ابن زیاد نے کہا: تم یہاں کیوں آئے ہو، کیا اس لئے آئے ہو کہ مسلمانوں کے  
امور کو الٹ پلٹ کر رکھ دو اور سوئے ہوئے نمنوں کو جگا کر مسلمانوں کا خون ضائع  
اور برباد کرو؟ جناب مسلم نے جواب دیا: كَذَبْتَ يَا بَنَ زَيْدٍ اِنَّمَا  
مَشَقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ مَعَاوِيَةَ وَابْنُهُ يَسْبِيهِ وَامْنَا  
الْفِتْنَةَ فَاِنَّمَا الْحَقُّهَا اَنْتَ وَابْوَاكَ زَيْدٌ دُبْنُ عُبَيْدِ  
عَبْدِ بَنِي غَلَاظٍ مِنْ تَقِيْفٍ وَاَنْتَ اَرْجُوْكَ اَنْ يَسْزُقَنِي  
اللَّهَ الشَّهَادَةَ عَلٰى يَدَيْ شَرِيْبٍ يَتْبَهُ

یعنی: اے زیاد کے بیٹے! تو جھوٹا ہے مسلمانوں کے معاشرے کو معاویہ  
اور اس کے بیٹے یزید نے درہم و بہرہم اور متفرق کر دیا ہے رہی فساد کی بات تو اسے  
بھی تو نے اور تیرے باپ نے پیدا کیا ہے۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ خداوند عالم  
تیرے جیسے بدترین خلق کے ہاتھوں سے جام شہادت عطا کرے۔

ابن زیاد نے کہا: اے مسلم! تم یہ گمان کرتے ہو کہ خلافت تمہارا حق ہے؟  
جناب مسلم نے جواب دیا: گمان نہیں کرتا اس حقیقت پر پورا پورا ایمان ہے عید اللہ  
بن زیاد نے کہا: مسلم! تم اس شہر میں کیوں آئے اور لوگوں کے درمیان تفرق پیدا کیا؟  
آپ نے فرمایا: اے زیاد کے بیٹے! میں کوفہ اس لئے آئے ہوں کہ لوگوں کے درمیان  
اختلاف و افتراق پیدا کروں بلکہ اس لئے آیا کہ تم لوگوں نے ام منکر اور گناہ کو عوام  
انسان میں عام کر دیا ہے اور پورے معاشرے سے نیکیوں کو ختم کر کے اس کو دقت  
دی ہے اور لوگوں پر حکومت قائم کر لی ہے۔ چاہے عوام اس سے راضی نہ ہوں تم نے  
اپنی رائے اور نظریات کو جو خدا کی رضا و خوشنودی کے بالکل خلاف تھے۔ امت  
اسلامیہ پر جبراً لاد دیا ہے۔ اور عوام انسان کے درمیان تمہاری روشنی قیصر و کسری جیسے  
جباروں اور ستم پیشہ حاکموں کی مانند ہو گئی ہے۔ ان دردناک اور الم انگیز حالات  
میں ہم خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے ہیں تاکہ امت کے درمیان نیکیوں  
کو دوبارہ زندہ کریں اور شکرات اور نیک نگر و کج رفتار سے روکیں۔ ہم اس  
لئے آئے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کو آسمانی کتاب (قرآن) کے آئین و قوانین اور  
سنت کی طرف دعوت دیں۔ یہ ہمارے مقاصد ہیں اور ان مقاصد کو انجام دینے  
کے لائق ہم اہلبیت رسول ہی ہیں۔

جناب مسلم کی دشمن کا حوصلہ پست کر دینے والی قاطع گفتگو اور وہ

کے سبب یہ سنہرے موقع ہاتھ سے نکل گیا اور اس خیانت کار اور پست طبیعت حاکم کو  
اپنے شیطانی منصوبوں کو برے اطمینان سے عملی جامہ پہنانے کا موقع ہاتھ لگ گیا۔  
شریح چونکہ اسلام کے ایک عظیم روحانی منصب قضاوت پر فائز تھا اس لئے لوگوں  
نے اس پر اعتماد کیا اور ابن زیاد نے اسے اس بات پر مامور کیا کہ وہ ہانی سے ملاقات  
کر کے ان کے قبیلہ والوں کو صحت و سلامتی کی اطلاع دے دے۔ وہ خانہ اور  
خدا سے بے خبر قاضی جس نے ہانی کو خاک و خون میں آلودہ دیکھنے کے باوجود لوگوں  
کے سامنے آیا اور ان سے کہا: پریشان نہ ہو، ہانی امیر عبید اللہ بن زیاد کے پاس  
صحیح و سالم بیٹھے ہوئے ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہیں اور بہت جلد سلامتی  
کے ساتھ تمہارے پاس آجائیں گے؟ یہ جھوٹے اور گڑھے ہوئے جملے اس فرشتہ  
نما شیطان کے منہ سے نکلے تھے۔ جس نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی تھی۔ لوگوں نے  
شریح کی بات مان لی اور منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے لوگوں  
کی اسی فکری سست روی سے اس نازا زادے عبید اللہ بن زیاد نے اپنے شیطانی  
منصوبوں کو ایک ایک قدم پر عملی جامہ پہنایا۔ نوبت یہ ابھی رسید کوفہ والوں کی  
دی جمعیت جس نے کل جناب مسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی آج انہیں گرفتار  
کر کے ابن زیاد کے حوالے کرنے کے لئے ان حضرت کے چاروں طرف گھیر ڈالنے  
ہوئے نظر آ رہی ہے۔ لیکن تنہائی کے باوجود وہی کشمیر بیٹھے نبوت و امامت  
بغیر کسی خوف ہراس کے کوفہ کی تنگ گلی کوچوں میں جو اب میدان جنگ بنا ہوا  
تھا، بڑی دلیری اور جان بازی کے ساتھ نبرد آزما تھا جبکہ ایسی لشکر فرزند  
جناب عقیل کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔

اس حالت میں بھی علیؑ کا بھتیجا اور حسینؑ کا مخصوص نمائندہ ایسی  
شجاعت و شہامت کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ سبھی انگشت بدندان تھے یہاں تک  
کہ ابن زیاد نے اس لشکر کے سردار محمد بن اشعث پر سخت اعتراض کرتے  
ہوئے کہلا بھیجا: مسلم تنہا ہے اس کے باوجود تم لوگوں کے کشتوں کے  
پشتے لگا رہا ہے۔ جب ہمیں اس شخص سے جنگ کرنے کے لئے بھیجوں گا جو مسلم  
سے بھی زیادہ شجاع اور بہادر ہے، اس وقت کیا کرو گے؟ (اس جیلے سے اس  
کی مراد امام حسین علیہ السلام تھے)۔

محمد بن اشعث نے جواب دیا: تو کیا سمجھتا ہے کہ کوفہ کے لقال سے  
یا پھر خیرہ کے کسی کسان سے جنگ کے لئے بھیجے؟ تو نہیں جانتا کہ تو نے  
اس شخص سے لڑنے کے لئے بھیجے جو شیریشیہ اور کائنات والی تلوار ہے۔  
تلوار اس کے ہاتھ میں ہے جس کی شجاعت بے مثال اور خاندان پیغمبر ص کا  
بے عدیل بہادر ہے۔ (ناسخ التواریخ حالات سیدالشہداء)۔

غرض کہ ان لوگوں کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ جناب مسلم کے قدم میدان  
جنگ سے اٹھائے سکیں ناچار انہوں نے دھوکے بازی سے کام لیا اور انہیں  
گرفتار کر کے دارالامارہ میں ابن زیاد کے پاس لے گئے۔

### مقصود حسینؑ بزبان نمایندہ حسینؑ

جناب مسلم نمائندہ امام حسین علیہ السلام نے امام کے اعراض و مقاصد  
پر اس طرح روشنی ڈالی اگرچہ وہ تن تنہا تھے اور ان کے روبرو ابن زیاد جیسا

میں حریف ہے اور انہیں قتل کرتا ہے جنہیں قتل کرنے کی خداوند عالم نے ممانعت کی ہے، اور ان لوگوں کا خون بہا تا ہے جن کے خون بہانے پر خدا نے عذوبل سے روک لگا رکھی ہے۔ اسے زیادہ کے بیٹے! تو ظلم و ستم، عدالت و دشمنی، بغض و عناد اور مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی سے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور پھر مزید برآں کہ ہمیشہ داؤد عیش دیتا ہے گویا تو نے کبھی گناہ ہی کا ارتکاب نہیں کیا۔

جناب مسلم کے ذمہ جس مقدس پیغام کی ذمہ داری عطا کی گئی تھی اسے بڑے فخر و انبساط کے ساتھ انجام دیا جو حسینؑ کے منصب نیابت کے لائق تھی جناب مسلم کی اس جراتمندانہ اور بے باکانہ تقریر نے ابن زیاد کو غضبناک کر دیا نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت بے شرمی گہ انہیں اور اولاد علیؑ علیہ السلام کو سب و شتم کرنے لگا۔

جناب مسلم علیہ السلام نے فرمایا: **أَنْتَ وَابُوكَ أَحَقُّ بِالشَّيْمَةِ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ يَا عَدُوَّ اللَّهِ!** تو اور تیرا باپ ان کامیوں کا زیادہ مستحق ہے اب جو تیرا جی چاہے کر اسے دشمن خدا۔

اس مقام پر نیابت امام علیہ السلام کی بہت بڑی ذمہ داری جناب مسلم کے کندھوں پر تھی جسے آپ نے بڑی کامیابی اور فخر کے ساتھ پورا کیا۔ اپنی خداوند عالم کی جانب سے اس ماموریت کی نشاندہی فرمائی جو جنت خدا، اپنے زمانے کے امام حسین ابن علی علیہما السلام کو قبول فرمایا اور اس عظیم ذمہ داری کو اپنے ذمہ لیا۔ جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام نے فریضہ منصبی کو اختتام کی منزل میں پہنچایا۔ لیکن اس ذمہ داری کے اختتام کے ساتھ ساتھ آپ قابل فخر و اتہائے زندگی اختتام کی منزل کو پہنچ چکی تھی چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے آپ کو بالائے بام لیجا کر سر تن سے جدا کر دیا گیا۔ آپ قرب خداوندی کی منزل پر فائز ہوئے۔ آپ کی لاش کی کوفے کی گلیوں اور کوچوں میں تشہیر کی گئی اور سر مبارک کو دارالامارہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تاکہ ان بے ضمیر، درندہ صفت اور خون آشام حاکموں کی داستان ظلم بیان کرتا رہے۔ سلام اللہ علیہ ورضوانہ و بركاتہ الدائمہ وجزاؤ اللہ من الاسلام وجزاء اللہ من الاسلام خیر الجزاء

## بقیہ عزاداری

اور ایک دینی حقیقت یعنی عزائے امام حسین علیہ السلام سے انکار کر کے دشمنان اہلبیت علیہم السلام کی صف میں شامل ہو کر اتحاد المسلمین میں رخنہ نہ پیدا کریں۔ یاد رکھئے! روز قیامت کے مشکل ترین مقامات میں سے ان خودوں اور فیصلوں کی صفائی پیش کرتا ہے جو انسان دانستہ طور پر دیتا ہے۔ یاد رکھئے! صحاح ستہ میں حدیثیں موجود ہیں کہ قیامت میں خدا کے فرشتے بعض اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حوض کوثر تک پہنچ کر وہاں سے اس لئے واپس کر دیئے جائیں گے کہ انہوں نے اہلبیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حق ادا نہیں کیا۔

اللهم اعصمنا شرور أنفسنا ولا تجعل مصيبتنا في ديننا

بھی خوشخوار اور بے شرم مزید کے گورنر کے گفتگو سے عجب نہیں کہ ابن زیاد اندر ہی اندر رز گیا ہو۔ آپ کی گفتگو بالکل ویسی ہی تھی جس طرح امام حسین علیہ السلام اسلام کے عظیم مقاصد کے بارے میں گفتگو فرمایا کرتے تھے اور واضح لفظوں میں جو شدید اخراجات اسلامی معاشرے میں پیدا ہو گئے تھے ان پر بھر پور روشنی ڈال رہے تھے کیونکہ آپ امت اسلامیہ کو سمجھانا چاہتے تھے کہ تمام بد بختیوں، انحرافات اور گئیوں اور جبر و استبداد کا خلاصہ اسی حکومت میں سمٹ کسا گیا ہے۔

جناب مسلم بن عقیل علیہ السلام نے یہ مختصر سا بیان اپنی زندگی کے سب سے زیادہ دردناک اور بدترین لمحات میں شہادت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے واضح الفاظ میں گفتگو کی اور یہ بتا دیا کہ تمام فتنہ و فساد اور مسلمانوں کے درمیان خونریزیوں کی بنیاد یہی ہے کہ معاویہ اور مزید جیسے نااہل اور ناپاک افراد نے اسلامی دنیا کی رہبری و قیادت اپنے ہاتھوں میں لی اور طاقت و اقتدار کے بل بوتے پر خود کو ادارہ اپنی حکومت کو امت پر لاد دیا اور امت اسلامیہ کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر کے عوام کی مرضی کے خلاف اس کے حاکم بن بیٹھے۔ حسین علیہ السلام کے اس مخصوص نمائندگی نے انہیں اشراف کو فخر کے روبرو جس کے بارے میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا تھا: **يا اشراف الرجال ولا رجال!** اسے مردوں سے ملتے جلتے لوگو! جن میں حقیقتاً مردانگی کے جوہر نہیں پائے جاتے۔ جو ابن زیاد کے گرد جمع ہو گئے تھے واضح کر دیا کہ ان فتنہ و فساد اور شرانگیزیوں کا سرچشمہ کون ہے۔ چونکہ جناب مسلم کی فکر اور ان کی منطق کا سرچشمہ حضرت سید الشہداءؑ کی ذات مقدس تھی اسی بنا پر ناسعد اور ناموافق حالات کے باوجود اعلیٰ حسین علیہ السلام نے نیابت حسیبی کا فریضہ بڑی خوبی اور خوش بصورتی کے ساتھ انجام دیا۔

ایسے ذلیل، خوشخوار، پست طینت زنا زادہ کے روبرو ایسی تلخ حقیقت کو بیان کرنے سے تاریخ نے جناب مسلم علیہ السلام کی عظیم اور مافوق انسانی شخصیت کو اپنے صفحات پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ثبت کر لیا۔

ابن زیاد جناب مسلم کی اس بے باکانہ تقریر کو سن کر تھلا اٹھا اور ناپاک اور فساد افروز کے آخری حربے کو استعمال کرتے ہوئے اس نے جناب مسلم اور اہل خانہ کو برا بھلا کہنے لگا اور آخر میں بولا: **اے فاسق تو نے مدینے میں شراب پی تھی؟ (معاذ اللہ)** جناب مسلم نے بھی اس کی اس گندہ دہن کو بے جواب نہ چھوڑا۔ اور فرمایا:

**أَنَا اشْرَبُ الخَمْرَ؟** کیا میں شراب پیتا ہوں؟ **أما والله ان الله ليعلم انك تعلم انك غير صادق وانك قد قلت بخير علم واني لست كما ذكرت وانك احق بشرب الخمر مني وادنى بها ومن بلغ في دماء المسلمين ولغا فيقتل النفس التي حرم قتلها ويسفك الدّم الذي حرم الله على الغضب والحدوة وسوء الظن وهو يلهو ويلعب كان لم يصنع شيئاً** (ناسخ التواريخ حالات سید الشہداء جلد ۱۰ طبع تہران)۔

کیا تو میری طرف شراب پینے کی نبت دیتا ہے؟ خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تو جان بوجھ کر جھوٹ بول رہا ہے اور تو خود بھی جانتا ہے کہ میں ایسا نہیں بلکہ تو شراب پینے کا زیادہ حقدار ہے اور جو شخص مسلمانوں کا خون بہانے

# مکہ مکرمہ کی تاریخ

جائزہ لیا۔

امام حسین نے ماہ شعبان ۶۰ھ کو حدود مکہ میں قدم رکھا اور رمضان شوال اور ذی قعدہ تک اسی شہر میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران حجاز و بصرہ، مدائن یمن اور ان کے قرب و جوار میں بسنے والوں اور دروازہ میں رہنے والے شیعینان علی بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنے مسائل حضرت کے سامنے رکھتے احکام حاصل کرتے اور اپنے اپنے علاقوں میں اور منطقوں تک پہنچا دیتے۔ اس طرح امامت کے دستورات کے نفوذ و اجراء کا عمل جاری و ساری تھا۔ صغیراً ہی عرض کر دوں کہ مدینہ میں چار ہسپتیاں ایسی تھیں جنہوں نے یزید کی بیعت کا قیادہ گلے میں ڈالنے سے انکار کر دیا تھا (۱) عبداللہ ابن عمر (۲) عبداللہ ابن زبیر (۳) عبدالرحمن ابن ابی بکر اور (۴) حسین ابن علیؑ۔ تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ عبداللہ ابن عمر اور عبدالرحمن بن ابی بکر تو مدینہ ہی میں مقیم رہے البتہ عبداللہ ابن زبیر اور امام حسینؑ مدینہ الرسول کی رہائش کو خیر باد کہا اور مکہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ بلاد ہائے اسلامیہ میں بالعموم اور مکہ اور مدینہ کے قرب و جوار میں بالخصوص گھروں میں ایٹھکوں میں اور دیگر مجالس میں یہ چرچے زور پکڑ رہے تھے کہ حسین ابن علیؑ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا ہے اور ان پر حکومت کے بڑھتے ہوئے دباؤ کی وجہ سے مکہ میں قیام پذیر ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمن بن ابی بکر مدینہ ہی میں کیوں مقیم رہے؟ اور حضرت امام حسین علیہ السلام نے سرزمین مکہ کو اپنا مستقر کیوں قرار دیا؟ اور یہی نہیں بلکہ شریعت محمدی کے متوازی ایک غیر شرعی نظام کی تشکیل ہو رہی تھی۔ فاسق و فاجر بادشاہوں کے نظام حکومت میں مکاری، عیاری، جاسوسی، جھوٹ، ذرائع ابلاغ میں دھوکہ بازیوں، مظلوموں کا استیصال، قلم کا استحصال، طاقت کا بیجا استعمال، ضمیمہ فروشی کی تحریکیں، لوٹ بھسوت، ادبیت گردی کے لئے قتل و غارت کا بازار گرم کرنا، ان ساری ستم رانیوں اور جفاؤں کو اس لئے بے رو دکھا گیا کہ بادشاہ کو ظلم الہی ہونے کے نلے اس کے لئے سارے حقوق محفوظ ہیں کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔ یہ وہ عوامل ہیں جو نام نہاد اسلامی حکومت کے لئے ضروری تھے لگے اور دوسری طرف یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ بادشاہ اور احکام شریعت کے درمیان ایک ایسا پل بن جائے جس کی وجہ سے ستم و جور اور سرکشی و عدوان کے

آج سے تیرہ سو برس پہلے یعنی پہلی صدی کا تقریباً نصف حصہ گزر چکا تھا۔ اس وقت کی بات ہے۔ مکہ کی سرزمین پر چیل پیل بڑھتی جا رہی تھی۔ مملکت اسلامیہ کے دور دراز گوشوں اور اطراف و اکناف مکہ سے حاجیوں کے قافلے جوق در جوق خزانہ حج کی ادائیگی کے لئے سرزمین مکہ پر وارد ہو رہے تھے۔ سنہ ۶۰ھ ہجری تھی۔ ماہ شعبان المعظم سے فاطمہ زہراؑ کا لال اپنے خا زادہ پاک اور اصحاب باوفا کے قافلہ کے ساتھ شہر مکہ میں قیام پذیر تھا۔ رمضان المبارک شوال اور ذی قعدہ کے مہینے آہستہ آہستہ دے پاؤں گزر گئے تھے اور ذی الحجہ کا چاند افق پر نمودار ہو چکا تھا۔ حاجیوں کے ہجوم سے چھ سات تاریخ تک مکہ جھلکنے لگا۔ مختلف قسم کے عطر و عود کی خوشبو سے فضا مہکتی رہی تھی۔ احرام میں ملبوس حاجیوں کی ٹولیاں اور دستے اس طرح شہر میں پھیلے ہوئے تھے جیسے فرشتوں کی صفیں زمین پر اترائی ہوں اور توحید کے پرستاروں کو ہر چیز کی پیش کر رہے ہوں۔ ایک طرف یہ ماجول تھا دوسری طرف ابوالبشر سے لے کر خیر البشر تک تمام انبیاء کا ورثہ وار علم و حکمت کی مسند پر جلوہ افروز کسی گہری فکر میں مستغرق تھا۔ فرزند رسول کیا سوچ رہا تھا۔ کوئی فکر میں تھا، کیا مرحلہ درپیش تھا، ان ساری باتوں کا تعلق منصب امامت سے ہے اور اسے درک کرنے کے لئے پاکیزہ دل اور نتھرا پودا مسابغ پیدا کرنا پڑتا ہے۔ جس طرح آیات قرآنی کے رموز سربستہ کو معلوم کرنے کے لئے علم کے میدان میں سرگردانی کرنی اور قدم قدم پر شارحین و مفسرین کی مدد دینی پڑتی ہے۔ اور جب حقیقتوں پر پڑے پردے ہٹنے لگتے ہیں تو روح کو تازگی کا احساس ہونے لگتا ہے اور ان عارضی زندگی پر دوام کی خوشبو بکھر جاتی ہے اسی طرح منصب امامت کے ان گنت راز ہائے سربستہ کے موتوں کی دستیابی اور اس کی آب و تاب کے دیکھنے کا ظرف پیدا کرنے کے لئے خواص طبیعت کا ہونا لازمی ہے۔ اور جب معرفت کا کوئی گہرا کبدار نصیب سے مل جاتا ہے تو نام نہاد فلسفے اور منطق پھر تاریک اور اندھیری وادیوں میں بھٹکتی ہوئی عقل کو روشنی مل جاتی ہے اور یہ تھا کہ بار زندگی کا مسافر جو ابھی حالات سے لڑتے لڑتے ہانپ رہا تھا، اطمینان کی سانس لیتا ہے، جوصلے انکڑائی لینے لگتے ہیں یاں و ناامیدی امید میں بدل جاتی ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے منصب امامت کی حکمت عملی کا عظیم مظاہرہ مکہ تائبوں کے درمیان کا فاصلہ ۲۲ یا ۲۳ روز کے دوران کیا اور اس کے ظاہری اسباب اور باطنی رموز کے پیش نظر ایک

ساتھ ساتھ شریعت کی بھی حاکمیت بھی انھیں بادشاہوں کو حاصل رہے اور کوئی اعتراض کے لئے مندر نہ کھول سکے۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ کے ہوتے ہوئے کہیں سے ممکن نہ تھا۔

پہلی ٹھوکر یزید کے دربار میں سیٹھے ہوئے منصوبہ سازوں کو اس وقت لگی جب حضرت نے مدینہ سے ہجرت فرمائی، اور مکہ تشریف لے آئے اور وہ بھی اس طرح کہ شہادت مدینہ کبھی واپس نہیں جائیں گے۔ بنی ہاشم کے نوجوانوں کے علاوہ مخدرات عصمت و طہارت بھی ساتھ ساتھ ہی نہیں بلکہ انصار کے ساتھ غلام اور کثیریں بھی ہمراہ چلی رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ایک مضبوط مشن کے تحت انجام پا رہا ہے۔ ہر قدم جیسے وحی الہی کے اشارے پر اٹھ رہا ہو۔ مکہ میں آپ کا تین ماہ سے زائد قیام ایک اہم عمل تھا جس کے لئے یہ کہنا مناسب ہو گا کہ جیسے حکومت وقت کے خلاف خطرے کی گھنٹیاں بج رہی ہوں۔ چنانچہ اموی دربار کے ماہرین سیاست یزید کے گرد سر جوڑ کر بیٹھنے پر مجبور ہو گئے۔ حج کی تاریخیں نزدیک آ رہی تھیں ایک طرف حاجیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری جانب حکومت وقت کی حکمت عملی کے مطابق عمرو بن سعد بن العاص کی سرکردگی میں شامیوں کا ایک دستہ حاجیوں کے لباس میں اس غرض سے مکہ پہنچا کہ حضرت کو اس طرح قتل کر دیا جائے کہ حکومت بھی برک الذمہ رہے اور مقتول کی فریاد نثار خانہ میں طوطی کی آواز کی طرح گم ہو جائے۔ جب حضرت کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کو عمرہ میں بدلا اور مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابن عباس سے دعا یہ ہے کہ مکہ کو خیر باد کہنے سے پہلے میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کعبہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہیں کہ جبرئیل کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہے اور جبرئیل لوگوں کو آپ کی بیعت کی طرف دعوت دے رہے ہیں (متنبی اللالی) عمرو عاص کو جب خبر ملی کہ حضرت مکہ ترک کر کے عراق کی طرف جا رہے ہیں تو اس کے منصوبے کے تار و پود بکھر کر رہ گئے اور وہ بوکھلا گیا۔ اس نے اپنے بھائی یحییٰ کو ایک دستہ کے ساتھ بھیجا کہ جا کر حسینؑ کا راستہ روکے اور آپ کو مکہ کی طرف پلٹنے پر مجبور کرے یحییٰ اپنے سپاہیوں کے ساتھ امام حسینؑ تک پہنچا اور سدا رہا ہوا حضرت کے انکار پر قریب تھا کہ جنگ کا آغاز ہو جائے لیکن یحییٰ بنی ہاشم کے تیور کو دیکھ کر ڈر گیا اور مکہ واپس ہو گیا۔ (یزید کی طاغوتی حکمت عملی کے مندر پر حسینؑ کا یہ دوسرا بھر پور مظاہرہ تھا۔)

ابھی آپ کا قافلہ منزل تنعیم سے آگے نہ بڑھا ہوا کہ عبداللہ بن جعفر طیار نے ایک خط لکھ کر اپنے بیٹوں (عمون و محمد) کو دیا کہ جا کر امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ اسی کے بعد آپ عمرو عاص سے ملے اور حضرت کے لئے اس سے امان نامہ لکھوا کر یحییٰ کے ساتھ خود حضرت کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت کا قافلہ تنعیم سے آگے بڑھ چکا تھا، لیکن سرعت عبداللہ بن جعفر حضرت سے جا ملے حضرت کی خدمت میں امان نامہ پیش کیا حضرت مکہ کی واپسی پر راضی نہ ہوئے اور عراق کی طرف جانے پر مہر رہے۔ عبداللہ بن جعفر نے وجہ دریافت کی تو حضرت نے کہا: "انا رسول خدا کو خواب میں دیکھا ہے عبداللہ نے خواب بیان کرنے کے لئے معروضہ رکھا جس پر حضرت نے فرمایا: "تا حال تک سے یہ خواب بیان کیلئے اور نہ ہی آئندہ کبھی اس خواب کو بیان کروں گا یہاں تک اپنے اللہ سے ملاقات کروں" عبداللہ بن جعفر طیار نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت کے ساتھ کر دیا اور خود با دیدہ نم و دل بریاں مکہ واپس ہو گئے حضرت کا قافلہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ آپ اس منزل پر پہنچے جس کا نام "ذات عرق" تھا۔ جب

یہ خبر ابن زیاد کو پہنچی کہ حسینؑ اپنے قافلہ کے ساتھ عراق کی جانب بڑھ رہے ہیں تو اس نے کوفہ کی طرف جانے والے سارے راستوں کو مسدود کر دیا اور سخت پہرہ بٹھا دیا اور ایک بھاری لشکر حصین بن نمیر کی ماتحتی میں دیکر یہ کہا کہ قادیسیہ سے لیکر حضان اور قطقطانہ کی سرحدوں کو بند کر دو اور کسی کو نہ داخل ہونے دو اور نہ ہی کسی کو باہر جانے دو۔ ابھی تک حضرت امام حسینؑ کو جناب مسلم کے بارے میں کوئی خبر نہ ملی تھی لہذا آپ نے قیس بن مہر صیداوی کو کوفہ کی طرف روانہ کیا جب قیس قادیسیہ کے صحرا سے گذر رہے تھے آقا ص نصف النہار پہنچا۔ صحرا کے تند و تیز چھونکے ریت کے ذرات کو اڑاتے ہوئے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد سوار کر کے پر مجبور کر دیتے تھے۔ قیس چاہتے تھے کہ تیزی کے ساتھ اس صحرا سے گذر جائیں لیکن حصین بن نمیر کے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور حصین بن نمیر کے سامنے جا کھڑا کیا۔ قیس نے حضرت کا خط پارہ پارہ کر دیا۔ بعض روایت کے مطابق اسے چاکر نکل گئے۔ حصین بن نمیر نے قیس کو حراست میں لے کر ابن زیاد کے دربار میں بھیج دیا۔ ابن زیاد نے واقعہ سنا اور غصہ سے کانپنے لگا حکم دیا کہ اسے منبر پر لے جاؤ اور اس سے کہو کہ منبر سے علیؑ اور اولاد علیؑ اور اہل بیت رسولؐ کو بڑھایا کچھ اور یہ بتائے کہ یہ خط کس کے نام تھا۔ قیس منبر پر گئے سب سے پہلے تو آپ نے خداوند متعال کی حمد و ثنا کی بعد نبی کریمؐ اور آل نبیؐ پر درود و سلام بھیجا اور ان کی مدح و ستائش کرتے ہوئے ان کا نام بتانے سے انکار کرتے ہوئے کہا: میں رسول اسلام کے نواسے امام حسینؑ علیہ السلام کا قاصد ہوں اور فلاں منزل پر انہیں چھوڑ کر آیا ہوں۔ چنانچہ جو آپ کی یاری و نصرت کرنا چاہتا ہے اس امر میں جلدی کرے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے جب یہ خبر ابن زیاد کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ قیس کو دارالامارہ کے بالا خانے سے زمین پر پھینک دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب قیس دارالامارہ کی بلندی سے زمین پر آئے تو آپ کی ہڈیاں چور چور ہو کر رہ گئیں۔ عبدالملک بن امیر عمی (ملعون) نے آپ کو شہید کیا جناب مسلم کی طرح آپ کی لاش کی بھی کونہ کے بازاروں میں تشہیر کی گئی۔ جب امام حسینؑ نے قیس کی شہادت کی خبر سنی تو اس قدر گریہ کیا کہ ریش مبارک سے آنسو ٹپک رہے تھے اور آپ فرما رہے تھے: **فَجَنَّهُمْ مَنْ قَضَىٰ حَتْبًا، وَمَنْ يَنْتَقِلُ**

امام حسینؑ "ذات عرق" سے گذرتے ہوئے "حاجر" کے مقام پر پہنچے وہاں منزل کی یہاں سے آپ عراق کی جانب آگے بڑھے لیکن اس راستے سے چلے کہ قافلہ عرب کے ان منطلقوں سے گذر رہا تھا جہاں عرب کی پانی کی سبیلوں میں سے کوئی سبیل قریب رہے ابھی کچھ دور کی مسافت طے ہوئی تھی کہ آپ نے دیکھا کہ کچھ دور پر عبداللہ بن مطیع کے خیمے لگے ہوئے ہیں۔ عبداللہ کی نظر حضرت پر پڑی۔ مشتاقانہ دوڑ کر آیا اور حضرت سے بغلیگر ہوا پیشانی چومی۔ حضرت نے بیٹھے کا حکم دیا اور عراق کی کیفیت دریافت کی۔ عبداللہ نے جواب دیا اہل عراق کے دل آپ کی طرف ہیں لیکن تواریخ بنی امیہ کی طرف ہیں۔ لہذا آپ کوفہ کی طرف جانے کا ارادہ ملتوی کر دیں ورنہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے عرب کی حرمت آپ کی حرمت سے وابستہ ہے۔ اگر آپ شہید ہو گئے تو وہ کسی بھی مسلمان کو اپنے مفاد کے لئے قتل کرنے میں دریغ نہ کریں گے۔ آپ نے یہ سن کر اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: **لَنْ يَصِيبَنَا الْاِثْمُ لَمَّْا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا**

ادھر ابن زیاد نے کوفہ سے لے کر بصرہ تک سارے راستوں پر کڑا پہرہ بٹھا دیا تھا کوئی نہ اندر داخل ہو سکتا تھا اور نہ ہی کوئی باہر جا سکتا تھا۔ حضرت اپنا

سفر جاری رکھے ہوئے تھے کہ راہ میں ایک جماعت سے ملاقات ہوئی جس سے حضرت نے کوفہ کے بارے میں دریافت کیا تو ان لوگوں نے بتایا کہ کوفہ کے سارے راستے بند ہیں۔ داخل ہونے کی کوئی صورت نظر نہ دکھائی گئی۔ ابھی آپ کوفہ کی طرف ہی بڑھ رہے تھے اور یہ دیکھ رہے تھے کہ ایک قافلہ فرانسس حج ادا کرنے کے بعد آپ سے کچھ فاصلے پر آگے چل رہا تھا۔ صورت حال یہ تھی کہ جب حضرت منزل لیتے تھے تو اس قافلہ کے شیخے اکھڑ جاتے اور وہ آگے کی منزل کی طرف چل پڑتا اور جب حضرت کا قافلہ رواں ہوتا تو یہ قافلہ قیام کر لیتا۔ یہ زبیر بن قین جینی کا قافلہ تھا جنھیں آل محمد کے ساتھ چلنے میں عار سا لگ رہا تھا۔ آگے چل کر کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ حضرت کے شیخے ایک منزل پر نصب ہوئے اور قافلہ ٹھہر گیا اور تھوڑی ہی دور پر ”زبیر“ کا قافلہ بھی ٹھہر گیا اس کے شیخے بھی نصب ہوئے۔ تھوڑی دیر استراحت کے بعد چاشت کا وقت ہو گیا زبیر نے ابھی چند لقمے کھائے تھے کہ حضرت امام حسینؑ کا فرستادہ آپ کو پہنچا اور اس نے زبیر سے کہا: حضرت نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ زبیر کا لقمہ دین تک آتے آتے رک گیا اور وہ گویا سکے میں آگے زبیر کی بیوی ”دلیم“ نے جو تریب بیٹھی ہوئی تھی زبیر کو کچھ ٹھہرا اور کہنے لگی ”زبیر تمہارے لئے اس سے زیادہ عزت و شرف اور عاقبت کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ فرزند رسول نے تمہیں اپنی خدمت میں طلب کیا ہے۔ زبیر نے اپنے حواس سمیٹے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ایک انگ خیمے میں زبیر اور حضرت میں چند لمحے گفتگو ہوئی۔ زبیر نے اس کے بعد رخصت لی اور اپنے قافلہ والوں میں تشریف لائے اور اہل کاروں کو حکم دیا کہ میرا خیمہ اکھاڑ کر حضرت کے خیموں کے قریب نصب کر دو۔ سید ابن طاووس سے روایت ہے کہ آپ نے اپنی زوجہ کا مہر ادا کر دیا اور قید و زوجیت سے رہا کرتے ہوئے فرمایا: ”تو اب آزاد ہے“ اور اپنے چچا زاد بھائی کے ہمراہ اس کے اہل اور سرپرستوں کے پاس بھیج دیا۔ دلیم نے جاتے وقت زبیر سے وعدہ لیا کہ جب وہ حسینؑ کے جد کی خدمت میں پہنچیں تو مجھے فراخوش نہ کریں۔ سوختہ جگر دلیم روتی بیٹھی زبیر سے جدا ہو گئی۔ زبیر نے اپنے قافلہ والوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا جو میرے ساتھ آنا چاہے آسکتا ہے ورنہ تمہیں اختیار ہے۔ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ اس کے بعد میں تم سے نہیں ملوں گا۔ یہ کہہ کر سب کو وداع کیا۔ روایت میں ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کے ایک چچا زاد بھائی سلمان بن مضارب بن قیس بھی ساتھ ہوئے تھے اور وہ بھی روز عاشورا ظہر کے بعد شہید ہوئے۔

قافلہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔ اب حضرت کے ساتھ زبیر اور سلمان بھی چل رہے تھے۔ ایک مقام جس کا نام نعلیبہ ہے۔ یہاں پہنچ کر قافلہ رکا۔ شیخے لگائے گئے اور حضرت تھوڑی دیر استراحت کے لئے اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کی روایت کے مطابق ”عبداللہ بن سلیمان اسدی“ اور منذر بن شتمعل اسدی حج سے فارغ ہو کر امام حسینؑ کے قافلہ سے وابستہ ہونے کے لئے بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے جب دو دنوں منزل نعلیبہ پر پہنچے تو اطمینان کی سانس لی اس لئے کہ سامنے ہی حضرت کے خیمے نظر آئے۔ لیکن اس وقت انہوں نے ایک شخص کو دیکھا جو کوفہ کی جانب سے آ رہا تھا اور اس نے حضرت کے خیموں کو دیکھ کر اپنا راستہ بدل دیا تھا۔ عبداللہ

اور منذر نے حضرت کی ملاقات سے پہلے اس شخص کا راستہ روک لیا اور اس سے کوفہ کا حال دریافت کیا۔ اس نے کہا ”جناب مسلم اور ہانی بن عروہ شہید کئے جا چکے ہیں اور ان کی لاشوں کی تشہیر کی جا رہی ہے۔ عبداللہ اسدی اور منذر اسدی دونوں حضرت نے امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر سلام عرض کیا اور کہنے لگے کہ ایک خبر ہے اگر اجازت ہو تو ہمیں بیان کروں ورنہ الگ ہٹ کر آپ کی خدمت میں عرض کروں حضرت نے فرمایا: مجھے اپنے اصحاب پر اعتماد ہے جو کچھ کہنا ہے سب کے سامنے کہو۔ عبداللہ اسدی نے جناب مسلم اور ہانی بن عروہ کی شہادت کی خبر سنائی اور لاشوں کی تشہیر ہونے کا واقعہ بھی دہرایا۔ حضرت اس اندوہناک خبر کو سن کر بہت رونا اور بار بار کہتے تھے انا لله وانا اليه راجعون... رحمۃ اللہ علیہما بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت مسلم کی بیٹی کو بلا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا بیٹی نے کہا ”عم بزرگوار آج آپ مجھ پر اس طرح شفقت اور رحمت کا اظہار فرما رہے ہیں جیسے آپ یتیموں کے ساتھ پیش آتے ہیں“ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور خاواخارہ عصمت و طہارت میں کہرام برپا ہو گیا۔

نعلیبہ سے آپ کا قافلہ کوفہ کی راہ پر چلتا ہوا منزل ”زبالہ“ پر وارد ہوا۔ یہاں آپ کو عبداللہ بن یقظہ کی شہادت کی خبر ملی۔ آپ نے قافلہ روکا اور فرمایا: مسلم ہانی اور عبداللہ شہید ہو چکے ہیں۔ کوفہ والوں نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا ہے لہذا میں اپنی بیعت کا قلاوہ تمہاری گردنوں سے ہٹانے لیتا ہوں جس کا جی چاہے میرے ہمراہ چلے اور جس کا جی چاہے دوسری راہ اختیار کر لے۔ بہت سے لوگ جو متاع دنیا کی لالچ میں ساتھ تھے ہمیں سے ساتھ چھوڑ کر چلے گئے۔

حزبان یزید ریاحی کی حضرت سے ملاقات تاریخ کا ایک ایسا روشن منارہ ہے جس نے منکرات و گمراہی میں بھٹکنے والے بے شمار افراد کو منزل نجات تک لے جانے میں معاونت کی ہے۔

حضرت سید الشہداءؑ سفر کی مسافت طے کرتے ہوئے بطن عقبہ پرڑ کے وہاں سے آگے بڑھ کر منزل ”شرف“ پر قیام کیا۔ جب لات گذر گئی اور صبح نمودار ہوئی تو آپ نے کوچ کا حکم دیا اور فرمایا: پانی کا وافر ذخیرہ مشکیزوں میں بھر کر بار بردار اونٹوں پر رکھ دیا جائے اور پھر آگے بڑھیں۔ ابھی آپ نے سفر کا آدھا راستہ بھی اگلی منزل کے لئے طے نہیں کیا تھا کہ اصحاب نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا حضرت نے سبب دریافت کیا تو اصحاب نے کہا خرم کے درخت نظر آ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس راہ میں خرموں کا کوئی درخت نہیں ہے اور حکم دیا کہ غور سے دیکھو۔ اصحاب نے جواب دیا گھوڑوں کے سواروں کے سر دکھائی دے رہے ہیں شاید کوئی لشکر آ رہا ہے۔ آپ نے وہیں ایک پہاڑی جس کا نام ”ذو حسم“ تھا اس کی پشت پر اپنے خیمے لگوا دیئے اور کہا اگر جنگ کی نوبت آجائے تو تم لوگ اس پہاڑی کو اپنی پناہ گاہ بنا لینا اس کے بعد آپ نے لشکر ترتیب دیا اور شمشیر جھانک کر کے صفوں کے آگے کھڑے ہو گئے اور ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گزری تھی کہ حشر بن یزید ریاحی ایک ہزار کا لشکر لے کر سامنے آ گیا۔ لیکن اس لشکر ضلالت آٹار پر پیاس کا اتنا شدید غلبہ تھا کہ سپاہی تو سپاہی جانوروں کی زبانیں منہ سے باہر آ گئی تھیں وہ منبغ کریم، وہ چشمہ جو دوسخا، وہ حامل منصب امامت، وہ ضامن حیات کائنات، وہ زہراؑ کا لال، وہ علیؑ کا بیٹا، وہ حجت خدا، وہ رحمت اللعالمین کی گرد

کا پروردہ جھلا کیے گوارا کرنا کہ مخلوق خدا اس کے سامنے پیاس کی شدت سے جاں بلب رہے اور وہ خاموش تماشا بنی رہے فوراً حکم دیا پانی کے مشکیزے لائے جائیں۔ پرفیس بلیس سواروں اور گھوڑوں کو پانی پلانے میں مدد کرتے رہے۔ جب سب پانی پکی کر چھک گئے تو آخر میں ایک ایسے شخص پر نظر پڑی جس تک پانی نہیں پہنچا تھا اس کا نام علی بن طعان محاربی تھا آپ کے اونٹ کو لے کر اس کے قریب پہنچے جس پر پانی کے مشکیزے لے کر آئے تھے آپ نے اونٹ بٹھایا خود مشکیزہ لے کر اسے پانی سے سیراب کر چکنے کے بعد اس کے گھوڑے کو پانی پلانا شروع کیا گھوڑے کی عادت میں شامل ہے کہ وہ پانی کے ظروف سے تین چار مرتبہ منہ اٹھا لیتا ہے۔ آپ نے جب تک گھوڑا اچھی طرح سیراب نہیں ہوا پانی کا ظرف اس کے منہ سے الگ نہیں کیا۔

جب حر کا لشکر تازہ دم ہو گیا آپ لشکر کے بیچ جا کر کھڑے ہو گئے اور سب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے خطوط جو مجھے متواتر ملتے رہے اس کی بنا پر سامان سفر مہیا کر کے جتنی جلدی ہو سکا تم تک پہنچنے کی کوشش کی تمہنے ہر خط میں لکھا تھا: ہمارا کوئی پیشوا کوئی امام نہیں آپ کے گرد جمع ہو کر ہی شاید ہم نجات پاسکیں: اب میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں میرے ساتھ ہو۔ اور اپنے وعدہ کو وفا کرو اور اگر تم نے وعدہ شکنی کی ٹھان لی ہے تو ہم اپنے وطن واپس لوٹ جائیں گے۔ لشکر پر خاموشی طاری رہی اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ نماز ظہر کا وقت ہو گیا تھا۔ حضرت نے اذان کا حکم صادر فرمایا۔ اذان ختم ہونے کے بعد آپ حر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اگر تو چاہے تو نماز کی الگ جماعت قائم کر سکتا ہے۔ حر نے کہا یا رسول اللہ ہم سب آپ ہی کی امامت میں نماز ادا کریں گے نماز ختم ہوئی۔ نماز اتنا تیز تیز ہوئی کہ آپ نے کہا کوئی سایہ نہ تھا۔ سوار اپنے اپنے گھوڑوں کی نگام بجز کسی کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ پھر حضرت نے اپنا روئے مبارک حر کے لشکر کی طرف موڑ دیا اور خطبہ فرماتے ہوئے آپ نے کہا: اے لوگو! خدا سے ڈرو۔ حق اور اہل حق کو پہچانو۔ خدا تم سے زیادہ خوشنود ہو گا۔ ہم تمہارے پیغمبر اور رسول کے اہل بیت ہیں اور تم لوگوں پر ہمارا حق ہے۔ نہ کہ ان لوگوں کا حق تم پر ہے جو کسی حق کے بغیر تم پر اپنے حق جتاتے ہیں اور تم پر جو دوستم کے ذریعہ حکومت کرتے ہیں۔ اگر تم نے گمراہی اور جہالت میں اپنے پاؤں گاڑ لئے ہیں اور اپنی رائے میں وہ خطوط جو تم نے مجھے لکھے تھے ان کے بیانات سے اپنا منہ پھیر لیا ہے تو میں یہیں سے واپس جا رہا ہوں۔ حر نے جواب میں کہا: بخدا نہ مجھے ان خطوط کے بارے میں کوئی علم ہے اور نہ بھیجنے والوں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں حضرت نے خطوط سے بھرے ہوئے قبیلے منگوائے اور حر کے سامنے رکھ دیا۔ حر نے پھر جواب دیا: میرا ان خطوط سے کوئی تعلق نہیں۔ میں ابن زیاد کی طرف سے اس امر پر مامور ہوں کہ آپ کو ابن زیاد کے دربار میں پیش کر دوں۔ آنحضرت نے حکم دیا کہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ جب سب اپنے اپنے مرکب پر سوار ہو گئے تو واپسی کا حکم صادر فرمایا۔ ادھر حسین کے قافلے والوں نے اپنا رخ موڑا ہی تھا کہ حر کا لشکر سامنے آ گیا اور راستہ روک لیا۔ حضرت نے اس وقت یہ جملہ ادا کیا: "جاتیری مال تیرے ماتم میں بیٹھے" تو مجھ سے آخر کیا جاتا ہے۔ حر نے کہا: "اے حسین آپ کے علاوہ اگر کسی اور نے کہا ہوتا تو اسی جہم میں جواب دیتا"

امام حسین نے دوبارہ کہا آخر تو کیا چاہتا ہے۔ حر نے جواب دیا: آپ کو ابن زیاد کے دربار میں لے جانا چاہتا ہوں۔ حضرت نے حر کی بات ماننے سے بیکھٹ انکار کر دیا۔ حضرت امام حسینؑ اور حر کے درمیان بات بڑھ گئی۔ قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جاتی لیکن حر نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ مدینہ کی طرف واپس نہ جائیں اور نہ ہی کوفہ کی طرف چلیں بلکہ کوئی دوسری راہ اختیار کر لیں۔ میں ابن زیاد کو اس کی بابت مطلع کرتا ہوں شاید کوئی صورت بہتری کی نکل آئے۔ چنانچہ آنحضرت نے اپنا راستہ قاصد اور عذیب سے موڑ کر بائیں جانب چلنا شروع کیا۔ حر کا لشکر آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا یہاں تک کہ عذیب بھانات کی منزل آگئی۔ ناگاہ لوگوں نے دیکھا کہ چار افراد اونٹ پر اور ایک شخص آگے آگے گھوڑے پر سوار کوفہ کی جانب سے آ رہا تھا۔ اس گھوڑے کا نام کامل تھا اور یہ گھوڑا بلال ابن نافع کا تھا لیکن اس وقت اس گھوڑے پر جو شخص سوار تھا اس کا نام طراح بن عدی تھا یہ سب آنحضرت کے قافلے سے ملنے ہوئے۔ حر نے اعتراض کیا اور چاہا کہ انہیں تراست میں لے لے لیکن حضرت نے کہا یہ میری پناہ میں ہیں لہذا میں ان کی مدد کر دگا نتیجتاً حر دست بردار ہو گیا۔

حضرت نے ان لوگوں سے کوفہ کا حال پوچھا تو ان میں سے جس کا نام مجمع ابن عبداللہ تھا جواب دیا: کوفہ کے وہ لوگ جو اشراف میں شمار ہوتے تھے ابن زیاد سے بڑی بڑی رشوتیں قبول کر چکے ہیں۔ باقی افراد آپ کو چاہتے ہیں پھر بھی آپ کے قتل کے لئے اپنی تلواریں تیز کر رہے ہیں۔ آپ نے قیس بن مہر کے بارے میں دریافت کیا تو جواب ملا حصین بن نمیر نے قیس کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے حوالے کر دیا اور ابن زیاد نے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے اور آپ نے فرمایا: "فمنہم من قضی نخبہ و من ینتظر و ما بدلتوا تبدا۔ (احزاب)

اللہم اجعل لنا ولہم الجنة نزلا وجمع  
بیننا و بینہم فی مستقر رحمتک و عنائب  
مذحور ثوابک۔

طراح جو ابھی ابھی وارد ہوا تھا حضرت کے قریب آئے اور کہنے لگے "مولایں دیکھ رہا ہوں آپ کے پاس لشکر بہت قلیل ہے۔ اگر دشمن اس وقت آمادہ جنگ ہو جائے تو بھی یہ لشکر مقابلہ کے لئے ناکافی ہو گا۔ چہ جائیکہ وہ لشکر جو کوفہ میں آ رہا ہے۔ اے فرزند رسول! جب میں کوفہ سے نکل رہا تھا تو مر ڈیکھا سپاہیوں کی بھاری تعداد جنگ کی مشق کر رہی تھی۔ اے میرے مولا حسین! آپ کو خدا کی قسم آپ کوفہ کی طرف رُخ نہ کریں۔ دوسری صلاح یہ ہے کہ آپ دشمن پر ہوشیار رہیں۔ لگا رہیں اور کوہ اُحاج کی پناہ گاہ میں آجائیں جس کا ایک حصہ قبیلہ طی میں داخل ہوتا ہے۔ ہم نے بڑے ٹوک غسان و سلاطین جو رکے حملہ کے وقت انہیں پہاڑیوں میں پناہ لی اور میرے ایک بھائی جانباہ کی جان تلف نہ ہوتی اسی فرصت کو غنیمت سمجھ کر میں قبیلہ طی سے ۲۰ ہزار شمشیر زدن کا لشکر لے کر آپ کی کمک کو پہنچ جائیں گے۔ حضرت نے طراح کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا: طراح میری منتر لیں طے ہو چکی ہیں میں سرمولاس کی خلاف ورزی کا مجاز نہیں رکھتا طراح اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے لئے آذوقہ اور دیگر اسباب لیکر جا رہا تھا

آسمان کی طرف دیکھا، اس زمین کی خاک اٹھائی، سو نکھا۔ حضرت نے حکم دیا کہ مال و اسباب اتارے جائیں اور خیمے نصب کئے جائیں۔ یہ روز پنجشنبہ محرم کی دوسری تاریخ اور سلا نہ حموی کی بات ہے۔ چنانچہ خیمے نصب ہو گئے۔ شرط خرات سے دور، اور دوسری محرم ہی سے پانی کی قلت شروع ہو گئی۔

بقیہ:

## شَرِکَةُ الْحُسَیْنِ

حَضْرَتِ زَيْنَبِ  
سَلَامُ اللّٰهِ عَلَيْهَا  
کے چند القاب

زینب کے واسطے سے بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ دین کی حفاظت و بقا میں بھی شریکۃ الحسنین ہیں۔ تحمل مصائب میں بھی شریکۃ الحسین ہیں۔

کعبۃ الرزایاء :- رزایاء، رزیکتہ کی جمع ہے۔ یعنی بڑی مصیبت۔ کعبہ خدا کا گھر جس کا لوگ طواف کرتے ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمان کعبہ کا رخ کرتے ہیں اور چار جانب سے اس کی طرف آتے ہیں۔ جناب زینب کعبۃ الرزایاء ہیں۔ مصائب و آلام آپ کا طواف کرتے تھے اور ہم مصیبت آپ کی طرف متوجہ تھے۔ شروع ہی سے مصیبتوں کی آماجگاہ رہیں، نانا کا انتقال، ماں کی جدائی، باپ کی رحلت، بھائی کا فراق اور کربلا میں تو بھرے گھر کا داغ اور وہ صرف ایک دن میں جس گھر کو جناب زینب نے اذان صبح کے وقت آباد دیکھا تھا وہ عصر کے وقت خالی ہو چکا تھا۔ عزیزوں کی جگہ ان کی جدائی کے صدمات رہ گئے تھے۔ پھر کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام، شام سے کربلا، کربلا سے مدینہ تک آلام و مصائب۔ اس کے علاوہ اگر خانہ کعبہ کا پردہ جلا یا گیا تو آپ کا پردہ چھینا گیا۔ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے گئے تو آپ کی پشت مبارک پر تازیاں مارے گئے۔ کعبہ کی حرمت پامال کی گئی تو آپ کو بھی دیار بدیار پھرایا گیا۔ ان مصائب سے کعبہ کی عظمت کم نہ ہوئی بلکہ ظلم و ستم ڈھانے والے ہی ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اس طرح مصائب کے ہجوم سے آپ کی عظمت میں کمی نہیں آئی بلکہ ظالم ہی ذلیل و رسوا ہو گئے۔ اگر آج خانہ کعبہ کا پردہ باقی ہے تو آج بھی جناب زینب کا پردہ وقار باقی ہے۔

اس نے اجازت چاہی کہ وہ جا کر مذہب داروں سے سکدوش ہو جائے اس کے بعد اگر آپ کے قافلہ میں شامل ہو جائے۔ طراح امام حسینؑ سے رخصت ہو کر اپنے قبیلہ کی طرف چل پڑے وہاں سے لوٹنے میں انہیں کافی دن لگ گئے جب وہ عذیب بجاناٹ پر پہنچے تو اسے سماعتہ بن بدر نے خبر دی کہ حضرت دس محرم کو بوقت عصر شہید ہو گئے۔ طراح دل برداشتہ ہو کر اپنے قبیلہ کی طرف پھر لوٹ گئے۔

حضرت امام حسینؑ عذیب بجاناٹ سے گزرتے ہوئے جب قہر بنی مقاتل پر پہنچے تو یہاں منزل کیا۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک خیمہ پر پڑی۔ آپ نے دریافت کیا یہ کس کا خیمہ ہے؟ اصحاب نے جواب دیا عبداللہ بن خرقہ جی کا۔ حضرت نے فرمایا اسے میرے پاس آنے کی دعوت دو۔ جب حضرت کا فرستادہ عبداللہ کے پاس پہنچا اور حضرت کا پیغام دیا تو اس نے کہا: بخدا میں کوفہ سے اس لئے باہر آ گیا تھا کہ حضرت جب کوفہ میں داخل ہوں تو میرا سامنا حضرت سے نہ ہو یہ کہہ کر حضرت کے قاصد کو واپس کر دیا۔ حضرت نے جب ماجرا سنا تو یہ نفس نفیس خود تشریف لے گئے۔ اس نے پھر اپنا وہی بیان دہرایا۔ حضرت نے اس کو نصیحت فرمائی، اگر تو میری نصرت کی دعوت قبول نہیں کرتا تو نہ کہ یہ تیری مرضی ہے لیکن یاد رہے میرے قاتلوں کی صف میں نہ رہنا اور تیرے دامن پر میرے خون ناحق کا کوئی دھبہ نہ لگنے پائے۔ بخدا جو میری مظلومیت کو سنے گا اور میری نصرت نہ کرے گا یا قاتلوں میں شامل ہو گا خدا سے ہلاک کر دے گا۔ دیکھ تعوی اور پرہیزگاری اختیار کرنا اتنا کجا اور حضرت اپنے خیمے کی طرف واپس آ گئے۔

حضرت نے قہر بنی مقاتل میں جوانوں کو حکم دیا کہ کافی پانی کا ذخیرہ فراہم کر لیں اور اسی روز نصف شب کے بعد وہاں سے کوچ فرمایا۔ اتنی مسافت طے ہوئی تھی کہ رات کا حصہ گزر گیا اور نماز صبح کا وقت آ گیا۔ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں کو بائیں طرف حرکت کرنے کا حکم دیا اور چاہا کہ آپ کا قافلہ حر کے لشکر سے جدا ہو جائے۔ آپ کا قافلہ اپنے راستے پر چلتا رہا اور حر کا لشکر کاوٹ بنتا رہا۔

اسی کشمکش میں حسین علیہ السلام کا قافلہ اور حر کا لشکر نینوا یا کربلا کے حدود میں داخل ہو گیا۔ اچانک ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا دکھائی پڑا جب وہ قریب پہنچا تو اس نے حضرت کو سلام نہیں کیا اور براہ راست حر کے پاس پہنچ کر سلام عرض کیا اور ابن زیاد کا خط خر کے ہاتھ میں دیا۔ حر نے یہ خط پڑھا۔ یہ خط ابن زیاد کی طرف سے تھا اس میں لکھا تھا کہ حسین کو ایسی جگہ روک دو جہاں دور دور تک پانی کی کوئی سبیل نہ ہو۔

خر نے یہ خط حضرت کے سامنے رکھ دیا۔ حضرت نے خط پڑھ کر کہا: «حر! نینوا کے نزدیک غازیہ ہے یا دوسرے قریب ہیں جہاں پانی میسر ہے۔ لہذا مجھے اس طرف جانے دے۔»

خر نے کہا: میں ابن زیاد کی حکم عدولی کرنے سے قاصر ہوں چنانچہ آپ کو یہیں خیمے لگانے ہوں گے۔

زمیر قبیلہ کے بڑھے اور حضرت سے عرض کیا: یا بن رسول اللہ! اس وقت جنگ زیادہ مناسب ہوگی۔ ورنہ ایک بھاری لشکر کا سامنا کرنا پڑے گا۔ حضرت نے زمیر سے کہا: میں پہل کے حق میں نہیں ہوں۔ آپ نے

# قاری قرآن سید القرآن

## بزرگوار حضرت ہمدانی

ان ہے ان پر اس روز جب جہنم کی آگ میں ان کی فریاد اور ان کے نالہ و شیون بلند ہوں گے؟

مورخین کی ایک جماعت نے تحریر کیا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کی پیاس حد سے زیادہ بڑھ گئی تو جناب بریر نے امام علیہ السلام سے اجازت چاہی کہ وہ اس قوم جفا پیشہ سے گفتگو کریں۔ امام نے جانے کی اجازت دے دی جناب بریر ابن سعد کے لشکر کے قریب آئے اور فرمایا:

"يا معشر الناس! ان الله بعث بالحق  
محمداً بشيراً ونذيراً وداعياً  
الى الله باذنيه وسراجاً منيراً -  
وهذا ماء الفرات تقع فيه خنازير  
السواد وكلابها وقد حيل بينه وبين  
ابن رسول الله افجزه محمد هذا"

اے گروہ دعا پیشہ خداوند عالم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ منتخب فرمایا کہ وہ خوشخبری سنائیں، ڈرائیں اور لوگوں کو خدا کی جانب اس کی اجازت سے بلائیں اور وہ ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔ یہ فرات کا پانی ہے جس سے جنگلی کتے اور سور میرا بہوں اور تم لوگ اب فرات اور فرزند پیغمبر کے درمیان حائل ہو۔ کیا رسول اللہ کی محنتوں اور مشقتوں کا یہی پھل ہے؟ دشمنوں نے جواب دیا: بریر! بس کرو، زبان بند کرو، زیادہ باتیں نہ کرو، خدا کی قسم حسین! کو اس طرح پیاسا دنیا سے اٹھنا چاہئے جس طرح عثمان پیاسے تھک گئے تھے۔ پھر امام حسین علیہ السلام خود ہی تشریف لے گئے اور ان سے خطاب کیا۔ ابو مخنف تحریر کرتے ہیں:

"یزید بن معقل جو قبیلہ بنی عمر سے تھا لشکر کوفہ سے باہر نکلا اور بریر سے بولا، اپنی حالت کیسی دیکھ رہے ہو؟ بریر نے جواب دیا۔ بہت ہی اچھی۔ یزید نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو حالانکہ تم جھوٹے نہ تھے۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ نبی دودان کے کوچ میں جایا کرتے تھے کہ عثمان ایسے اور معاد یہ گمراہ ہے اور علی بن ابی طالب! امام برحق ہیں۔ بریر نے کہا: بے شک، یہ وہی باتیں ہیں۔ یزید نے کہا: میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو گمراہوں میں سے ہے۔ جناب بریر نے فرمایا: کیا تو پند کرے گا کہ (باقی صفحہ دیکھو)

بریر بن خضیر طائفہ بنی مشرق بطن اور ہمدانیوں میں سے تھے (اسد الغابہ ابن اثیر حری) بعض اصحاب رجال نے بریر ابن خضیر کو بریر بن حصین تحریر کیا ہے۔

بریر نہایت بوڑھے، بہادر اور عابد شب زندہ دار تھے۔ آپ کا شمار تابعین میں تھا۔ آپ قاری قرآن اور سید القراء مشہور تھے، امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کے صحابی تھے۔ آپ کی شخصیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ اشراق کوفہ میں قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے خالو ابو اسحاق ہمدانی السبعی کو نبی تابعی ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چالیس برس تک صبح کی نماز عشاء کے وقتوں سے بڑھی اور ہر رات ایک قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ ان کے زمانے میں ان سے بڑا کوئی عبادت گزار نہ تھا۔ حدیث کے سلسلے میں شیعہ اور سنی دونوں ہی کے نزدیک سب سے زیادہ قابل اعتماد تھے۔ آپ امام زین العابدین علیہ السلام کے ثقات میں سے تھے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب بریر کو حسین علیہ السلام مدینہ سے مکہ معظمہ ہجرت کر جانے کی خبر ملی تو آپ کوفہ سے بلا کسی تاخیر کے مکہ پہنچے اور امام علیہ السلام کے ہمراہ کربلا کی جماعت میں شامل ہو گئے اور کربلا میں امام علیہ السلام کی ہمراہی میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ سردی لکھتا ہے: جب محمد نے امام حسین علیہ السلام کو سختی کے ساتھ روکا تو امام علیہ السلام نے ان لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا: بریر ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے خطبہ تمام ہونے کے بعد عرض کیا: "واللہ یا ابن رسول اللہ! لقد من اللہ بک علی ان ثقات بلین یدیک تقطع فیہا اعضا سناحتی یکون جذلک یوم القیامۃ بین ایدینا شفیعیاً لنا فلا افلح قدم ضیعوا ابن بنت نبیہم فویل لہم یوم ینادون بالویل والشور فی نار جہنم"

ترجمہ: اے فرزند رسول خدا! لاریب پروردگار نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہم آپ کے روبرو جنگ کریں اور اس جنگ میں ہمارے بدن ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تاکہ قیامت کے دن آپ کے جذبہ بزرگواری ہماری شفاعت فرمائیں۔ وہ ہرگز کامیاب و کامران نہیں ہو سکتے جو اپنے پیغمبر کے فرزند کے حق کو ضائع کرتے ہیں اور ان کے حال پر سخت افسوس ہے کہ کس منہ سے خدا سے ملاقات کریں گے

# عمر سعد

گوہر تابندہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس دن سے سعد ابن ابی وقاص (عمر سعد کا باپ) نے اس ملک کو فتح کیا تھا اسی دن سے عمر بن سعد کے دل میں یہ ترنا تھا کہ کاش اس شہر پر ہماری حکومت ہوتی۔ حسینؑ کے قتل پر اپنے نفس کو آادہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

فوالله ما أدري واني لحاسر  
أفكر في امرى على خطر  
أأترك ملك التري والسرى مئيتي  
أمر ارجع مذمومت لقتل حسين  
وفي قتل السار التي ليس دونها  
حجاب وملك التري قرة عيني

ترجمہ:- خدا کی قسم میری سمجھ میں نہیں آتا میں دوام باتوں کے بارے میں انتہائی فکر مند اور حیران و سرگشتہ ہوں۔ کیا ملک رے کا خیال چھوڑ دوں۔ حالانکہ رے میری دل تمنا ہے۔ یا حسین کو قتل کرنے کا گناہ اپنے سر لوں۔ حسین کے قتل میں آتش جہنم ہے جس سے کوئی چیز بچانے والی نہیں اور ملک رے میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ (کامل ابن اثیر وطبری)۔

عمر بن سعد کے حالات تاریخ کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں البتہ واقعہ کربلا کے حالات میں اس ملعون کا ذکر جا بجا پایا جاتا ہے۔ لہذا ہم مجبوراً انہیں واقعات کو نقل کر رہے ہیں جو واقعہ کربلا سے مربوط ہیں۔

## امام حسینؑ کی صلح پسندی

جب ابن سعد امام حسینؑ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس سے کہا: تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرو، یا تو مجھے چھوڑ دو کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہیں چلا جاؤں یا مجھے بڑیکے پاس جانے دو یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو۔ عمر سعد نے اس بات کو قبول کر لیا لیکن ابن زیاد نے کھاکہ وہ جب تک اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں نہ پکڑا دیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ (امام حسینؑ نے کہا: یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا۔) تاریخ طبری حصہ چہارم باب ۱۰/۲۱۵۔

## ابن سعد کی امام حسینؑ پر فوج کشی

جب ابن سعد کو امام حسینؑ کے مقابلہ پر جانے کا حکم ملا تو عبداللہ بن یسار اور ابن سعد کا بھائی حمزہ بن مغیرہ بن

حضرت سید الشہداء صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی شہادت اور ان حضرت کے اصحاب باوفا کے قتل، نیز عجموں کی تاراجی اور مندرات عصمت و طہارت کی بے پردگی اور دیار بدیا بچھرنے جانے میں جن ازار نے اہم رول ادا کیا اور یزید کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جن لوگوں نے ضمیر فریادی اور پست طبیعتی کا مظاہرہ کیا ان میں عمر بن سعد ابن ابی وقاص پیش پیش نظر آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ لوگ جو یزید ملعون کی حکومت کے استحکام کے لئے رکن کین تھے ان میں عمر بن سعد ایک اہم رکن تھا۔ حکومت "رے" کی لالچ میں آخرت کو دنیا کے ہاتھوں بیچنے کے بعد بھی اس سے محروم رہا اور اس دنیا سے ناکام و مراد واصل جہنم ہوا۔

عمر بن سعد کو عہدہ و منصب، مال و متاع اور لذات دنیا کی طمع و حرص نے اس حد تک پستی پر آادہ کر دیا تھا کہ اس کی طبیعت بھی درندہ صفت انسانوں جیسی ہو گئی تھی فطرت مسخ آنکھیں کو اور حقائق سے گریزاں۔ اس نے امام حسین علیہ السلام سے جنگ کرنے میں ابن زیاد کی اطاعت کی اور انجام کی ہون کی اور شرمناکی پر قطعاً توجہ نہ دی۔ اسے کسی نے امام حسینؑ سے جنگ کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ چاہتا تو قتل امام حسینؑ سے اپنے آپ کو بہت آسانی سے بچا سکتا تھا۔ ابن زیاد نے اسے لالچ دلائی کہ اگر تم حسینؑ کو قتل کرو گے تو تمہیں "رے" کا حاکم مقرر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے اس سفاک، درندہ صفت اور بے ضمیر لشکر کی سرداری قبول کر لی۔

## دنیا کے نہ دین کے

صاحب تاریخ طبری لکھتے ہیں "عمر بن سعد ابن ابی وقاص کو عبداللہ بن زیاد نے "رے" کی حکومت دے دی اور اس کے نام پر فرمان لکھ دیا اور یہ کہا کہ میری طرف سے تم اس شخص سے سمجھ لو۔ ابن سعد نے کہا مجھے تو معاف رکھئے۔ ابن زیاد اسی طرح نہ مانا تو اس نے کہا آج کی شب مہلت دیجئے اس نے مہلت دی اور یہ اپنے اس پیشکش کے بارے میں سوچتا رہا۔ صبح ہوئی تو ابن زیاد کے پاس آیا اور اس کے حکم کو بجالانے پر رضامندی کا اظہار کیا اور حسین بن علیؑ کی طرف روانہ ہوا۔

(تاریخ الام والملوک (تاریخ طبری) حصہ چہارم باب ۱۰/۲۱۵ مطبوعہ بن ایدری کرچی)

## شہر رے

ایران کا یہ قدیم شہر شاہان فارس کے نزدیک تاج شاہی کے

سنہ ۳۳ھ کے حالات میں جناب مختار کے خروج اور قاتلان امام حسین علیہ السلام سے انتقام کے حالات کو تفصیل سے لکھا ہے۔

ایک دن جناب مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "مکل میں ایسے شخص کو قتل کروں گا جس کے پاؤں بے جس کی آنکھیں گڑھی ہوئی اور بھویں بھری ہوئی ہیں۔ اس کے قتل سے تمام مومن اور ملامت مقررین خوش ہوں گے" (تاریخ طبری حصہ چہارم ص ۵۳)۔

جب عمر بن سعد کو جناب مختار کے ارادے کی خبر بشیم بن الامود السخنی کے بیٹے عریان کے ذریعہ اسی رات مل گئی (بشیم جناب مختار کے ساتھیوں میں تھا) تو عمر سعد گھر سے نکل کر اپنے حمام چلا آیا۔ پھر اس نے دل میں کہا کہ بہتر یہ ہے کہ میں مکان ہی لوٹ چلوں۔ اس خیال سے وہ پلٹا۔ روجار سے گذر کر صبح اپنے مکان آ پہنچا۔

جناب مختار کو معلوم ہوا کہ عمر بن سعد اپنے مکان چلا گیا ہے۔ آپ نے ابو عمر کو عمر سعد کے بلانے کے لئے بھیجا۔ ابو عمر اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کہ امیر نے تم کو بلایا ہے چلو۔ عمر سعد اٹھا اس کا پاؤں اس کے جیب میں الجھ گیا اور وہ گر پڑا۔ ابو عمر نے توار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کا سر کاٹ کر اپنی تبا کے دامن میں رکھ کر جناب مختار کے پاس آئے اور اسے مختار کے سامنے ڈال دیا۔ (تاریخ طبری حصہ چہارم ص ۵۴)

بنابر مشہور عمر سعد کا قتل ۱۹ ربیع الاول سنہ ۶۳ھ عجمی کو ہوا۔

### بقیہ: قاری قرآن سید القراء برید بن خضیر

میں تجھ سے مبالغہ (روحانی مقابلہ) کروں تاکہ پتہ چل جاوے کہ ہم دونوں میں سے کون سچا ہے اور جھوٹاں پر خدا کی لعنت ہے۔ اور جو باطل پر ہو وہ قتل ہو جائے۔ پھر دونوں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کے لئے سامنے آئے۔ دو بار تلواروں میں ردوبدل ہوئی۔ بڑی بڑی بریر پر ایک ضرب لگائی لیکن بریر کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ بریر نے بڑی بڑی ایک بھر پور وار کیا جو بڑی بڑی خود کو توڑتی ہوئی اس کے مغز میں درا آئی۔ بریر کی تلوار بڑی بڑی سر میں پھنس کر رہ گئی۔ بریر نے تلوار کو کھینچ لیا اور کہنے لگے:

أَنَا بَرِيْرٌ وَأَبِي خَضِيرٌ وَكُلُّ خَيْرٍ فَلَهُ بَرِيرٌ

میں بریر ہوں اور میرے پدر خضیر ہیں اور بریر شکی بریر میں موجود ہے۔

بڑی بڑی قتل کرنے کے بعد لشکر چل گیا۔ دینی بن منقر عبدی نے بریر پر حملہ کیا۔ یہاں تک کہ بریر نے ابن منقر کو زمین پر گرادیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ اس نے مدد کے لئے پکارا، کعب بن جابر بن عراندی اپنا دستہ نیکر مدد کو پہنچا۔ بعد میں آپس میں کہنے لگے یہ تو وہی قاری ہے جو مسجد میں ہمیں قرآن پڑھایا کرتا تھا۔ ان لوگوں نے بریر کی پشت پر نیزے سے وا کیا۔ ابن منقر عبدی بریر کے سامنے آیا اور ان پر تلوار سے حملہ کیا آپ درج شہادت پر فائز ہوئے۔

(الانصار لعین صفحہ ۱۱۲، ذخیرۃ الدارین ص ۲۳۱) رادی کا بیان ہے کہ رضی زمین سے اٹھا اور

اپنی تبا کی سنی جھاڑتے ہوئے کعب سے کہنے لگا اے بھائی مجھ تو نے ایسی نعمت دی ہے جس کو زندگی بھر نہیں جھلا سکتا۔ جب کعب بن جابر واپس ہوا تو اس کی زوجہ یا بہن نے اس سے کہا تو نے سید القراء (قاریوں کے سردار) کو قتل کر دیا۔ یقیناً آیت بڑی بات کی ہے خدا کی قسم اب تجھ سے کبھی گفتگو نہ کروں گی۔ کہا جاتا ہے کہ جناب بریر کا قاتل ایک شخص نام بریر بن اوس صبی تھا ۰۰

شعبہ وغیرہ اس کے پاس آئے اور اس سے اس فعل سے باز رہنے کی درخواست کی جیسا کہ ہم اس معنون کے ابتدا میں لکھ چکے ہیں کہ خود عمر بن سعد اس بات کو اچھی طرح جانتا تھا کہ قتل حسین کے بدلے وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلے گا۔ جب ان دونوں افراد نے اسے منع کیا تو اس نے پھر ایک مرتبہ کوشش کی کہ وہ باز رہے لہذا ابن زیاد کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"پر لشکر جو اشراف کو ذرا کا ہے اس پر کسی ایسے شخص کو جو جنگی کارروائیوں سے بخوبی واقف ہو اور فن نبرد آزمائی میں آپ کی مرضی کے موافق ہو اور مجھے اس پر کوئی تفریق نہ ہو اسے مقرر کر کے حسین کے مقابلہ بھیج دیجئے۔ یہ کہہ کر ابن سعد نے کچھ لوگوں کے نام بھی لے ابن زیاد نے کہا اشراف کو ذرا کے نام تم مجھے کیا بتاتے ہو۔ میں تم سے یہ مشورہ نہیں چاہتا کہ اس کو مقرر کروں۔ تم اگر لشکر لے کر جاتے ہو تو جاؤ ورنہ میرا فرمان واپس کر دو۔ ابن سعد نے جب اصرار دیکھا تو کہا اچھا جاتا ہوں۔ وہ چار ہزار کے لشکر کے ساتھ نکلا۔ اور جن دن میں وہاں حسین آئے اس کے دوسرے دن صبح کو آپ کے مقابلہ آگرا۔ (تاریخ طبری حصہ چہارم ص ۵۴)۔

## عمر سعد نے امام حسین پر پانی بند کیا

ابن زیاد نے ایک خط عمر سعد

کو لکھا کہ وہ امام حسین پر پانی بند کر دے۔ اس خط کو پڑھ کر عمر سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کا رئیس مقرر کر کے نہر فرات کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ نہر پر جا کر ٹھہرے اور نہر اور حسینؑ و اصحاب حسینؑ کے درمیان حائل ہو گئے تاکہ خیام ہائے جین میں پانی نہ پہنچ پائے۔ (تاریخ طبری حصہ چہارم ص ۲۳۹)۔

عمر سعد کے حالات کے سلسلے میں تاریخ کربلا کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ مورخین نے جہاں عمر بن سعد کو امام حسین علیہ السلام کا قاتل قرار دیا ہے وہیں یہ بھی ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ عمر بن سعد امام حسین علیہ السلام کو قتل کرنا نہیں چاہتا تھا دراصل ابن زیاد کے دباؤ اور دھمکیوں میں آکر زیر حکومت رہنے کی لالچ نے اسے اس گھناؤنے فعل پر مجبور کر دیا۔

لیکن عمر ابن سعد کے افکار و خیالات اور ابن زیاد کے پے در پے پوچھنے والے احکام کی تعمیل اس بات کا ثبوت ہیں کہ اس کے مزاج میں ایسی قساوت اور اس کی طینت و سرشت ایسی پلید و ناپاک تھی کہ وہ بے سبب وجہ ضرورت بعد قتل حسینؑ ان کی عورتوں، بہنوں، اور بیٹیوں کو امیر کر کے اس طرف لے گیا جس طرف ان کے واپس اور وارثوں کے بے رحم خاک و خون میں ڈوبے زمین پر پڑے ہوئے تھے۔ دل کو خون کر دینے والے اس منظر کو دیکھ کر عورتوں کو تاب ضبط نہ رہا۔ سب کے منہ سے چیخیں نکلیں اور اس طرح انہوں نے فریاد کی تھی کہ خود عمر ابن سعد کے لشکر والوں کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ حالاں کہ ان سفاک قاتلوں سے اس قسم کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی تھی۔

## عمر ابن سعد کا قتل

سنہ ۳۳ھ میں مختار بن ابی عبید ثقفی نے

حضرت امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کوفہ میں خروج کیا۔ طبری نے

# سید حسین علیہ السلام کی دیکھ مہری داستان

پھر سنان ابن اسیر جو مبروص اور چھوٹے سروال تھا، شب کو بڑا بھلا کھنے لگا، اور کہا کہ تیری ماں تیرے علم میں روئے اور تیری قوم برباد ہو، حسینؑ کے قتل سے ہاتھ کیوں کھینچ لیا۔ کہنے لگا جب حسینؑ نے آنکھ کھول کر میری جانب دیکھا تو مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشمہاں مبارک نظر آئیں۔ میری طاقت و توانائی سلب ہو گئی اور پورا جسم کانپنے لگا۔ اس نے کہا یہ تلوار مجھے دے میں ان کے قتل کے لئے تجھ سے زیادہ مناسب و بہتر ہوں۔ اس نے تلوار لی اور امام حسینؑ کے قتل کے ارادے سے ان کی طرف بڑھا، جب نزدیک پہنچا تو اس پر سخت لڑزہ طاری ہوا اور اس قدر خوفزدہ ہوا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ اسے بھاگ کھڑا ہوا۔ شمر نے اسے کافی سخت دست کہا اور دریافت کیا کہ کیوں بھاگ گیا؟ کہنے لگا کہ جب انہوں نے آنکھیں کھول کر میری جانب نظر کی تو مجھے ان کے پیر بزرگوار کی شجاعت و دلیری یاد آئی اور میں بھاگ نکلا۔ پھر خولی بن یزید اصبحی، امام مظلوم علیہ السلام کے سر اقدس کو تن سے جدا کرنے کے ارادے سے چند قدم بھاگے بڑھا تھا کہ اس کے سارے جسم میں تھق تھق قہقہا پیدا ہو گئی اور وہ بھی جلد ہی واپس آگیا یہ دیکھ کر شمر کہنے لگا: تم لوگ کس قدر بزدل اور ڈر لوگ ہو! اب میرے علاوہ کوئی انہیں قتل کرنے کی ہمت و صلاحیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس نے تلوار اٹھ لی اور آپ کے سینہ اقدس پر بیٹھ گیا۔ امام نے اس کی جانب نظر ڈالی، شمر پر لڑزہ لڑزہ طاری ہو اور ذہنی ذرا بھی خوف کا احساس ہوا۔ کہنے لگا: میں ان لوگوں میں سے نہیں کہ تمہیں قتل کئے بغیر واپس جلا جاؤں۔ حضرت نے فرمایا: تو کون ہے جو ایسے بلند و پاکیزہ مقام پر آکر بیٹھ گیا جو کبھی بوسہ گاہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اس ناہنجار نے کہا: میں شمر بن ذی الجوشن الضبائی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو مجھے پہچانتا ہے؟ اس نے کہا بہت اچھی طرح سے تمہیں پہچانتا ہوں تم حسین بن علیؑ ہو، تمہاری مادر گرامی فاطمہ زہراؑ اور تمہارے نانا رسول خداؐ اور وادی خدیجہ الکبریٰ ہیں۔ امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: افسوس تیرے حال پر، جب تو اس قدر پہچانتا ہے تو مجھے کیوں قتل کر رہا ہے؟ اس نے کہا: تاکہ معویہ کا بیٹا یزید انعام و اکرام سے مالا مال کر دے۔ حضرت نے فرمایا: تو میرے نانا رسول خداؐ کی شفاعت کو زیادہ پسند کرتا ہے یا یزید کے انعام و اکرام کو؟ اس دریدہ دہن نے کہا: مجھے یزید کا معمولی سا انعام بھی آپ کے نانا اور پیر بزرگوار کی شفاعت سے زیادہ پسند اور عزیز ہے۔ امام نے فرمایا: جب تو میرے قتل سے باز آئے والے نہیں تو کم از کم ایک گھونٹ پانی ہما دے۔ اس ملعون نے جواب دیا: خدا کی قسم تمہیں ایک قطرہ پانی نہ ملے گا یہاں تک کہ تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ کیا تم وہ نہیں

حضرت مسیح موعودؑ اور اہل خانہ کے سر مبارک کی دیار بیدار منتقلی اور ان حضرت کے فرق اقدس کے دفن کی جگہ کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ مورخین کے اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک کربلا میں آپ کے جسم مبارک کے ساتھ مٹیوں کر دیا گیا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا سر مبارک مصر میں دفن کیا گیا ہے جو آج کل مزار اور شہد کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا قول، آپ کا سر مبارک شام میں دفن ہے۔ وہاں بھی شہد اور مزار کے نام سے باب الفراء میں مشہور ہے۔

چوتھا قول، نجف اشرف میں دفن ہے۔

پانچواں قول، عسقلان میں دفن کیا گیا ہے۔

چھٹا قول، مدینہ منورہ میں آپ کی مادر گرامی جناب فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا کی قبر مطہرہ کے قریب دفن کیا گیا ہے۔

ساتواں قول یہ ہے کہ بعض سرانے شہد نجف اشرف کے باہر مسجد حنظلہ میں دفن کئے گئے ہیں۔

ان اقوال میں سے ہر ایک قول کے لئے یا تو اخبار سے سند دی گئی ہے یا پھر مورخین کا قول ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس کے تناظر میں ایک فلسفہ اور راز پوشیدہ ہے کہ یہ راز اسی طرح سر بستہ رہے۔ لیکن حقیقت امر تو یہ ہے کہ آپ کے مشاہد اس لئے مختلف مقامات پر بنائے گئے ہیں تاکہ ہر جگہ حضرت کا نام سے عزاداری ہو اور حضرت کا نام نامی مانبدہ و پابندہ رہے اور قرآن حکیم کے قول کے مطابق کہ: «مَنْ يُعْظِرْ شَعْرًا لِلَّهِ فَاتَّهَمْنَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ» جو شخص اللہ کے شعرا اور زنائوں کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پاکیزگی و طہارت کا علامت ہے۔ اور حسین مظلوم کی جانب منسوب مشاہدے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اور کون سی نشانی ہو سکتی ہے۔

جب حضرت سید الشہداء علیہ السلام گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے تو عمر سعد نے پکار کر کہا: اے اہل کوفہ! تمہاری ماںیں تمہارے علم میں روئیں، جلدی کرو اور سر حسینؑ کو جدا کر دو۔ سب سے پہلے شید بن ربیع تلوار کھینچے ہوئے امام ۲ کی جانب تیزی سے بڑھا، امام علیہ السلام نے جب اس کی طرف دیکھا تو شبث پر کلیبی طاری ہو گئی اور اس پر لڑزہ اس قدر طاری ہو کہ تلوار چھوٹ کر اس کے ہاتھوں سے گر گئی، وہ فوج کی جانب بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: معاذ اللہ مجھے خدا کے رسول صلی سے ملاقات کر لے ہے۔ خون حسینؑ میں شامل ہو جانے کا ذمہ داری مجھ پر بھی آجائے گی

سنا اور وہ اس آیت مبارکہ کی تلاوت کر رہا تھا۔ ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کا نوا من آیا تھا عجباً زمین تم کہتے ہیں کہ میں نے اس سر مبارک کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا تو خدا کی قسم خوف و درہشت اور رنج و الم سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے آواز دی کہ اے فرزند رسول! آپ کا فرق مبارک اصحاب کہف و رقیم کے واقعہ سے ہزار گنا زیادہ عجیب ہے۔

ابن شہر آشوب کی روایت ہے کہ آپ کا سر مبارک کوفہ کے ایک بازار میں لٹکا دیا گیا جہاں وہ سر سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ ایک دوسرے مقام پر ایک درخت کی شاخ میں لٹکا دیا گیا تو اس وقت اس آیت مبارک کی تلاوت کر رہا تھا۔ "وسیعلم الذین ظلموا اسی منقلب ینقلبون"۔

کوفہ میں اہلبیت اطہار کے ورود کے بعد ابن زیاد دربار عام منعقد کر کے ہر خاص و عام کے لئے دار الامارہ کا دروازہ کھول دیا۔ پورا دربار اہل کوفہ سے چھٹک رہا تھا۔ پھر اس نے شہداء کے سروں کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے طشت طلا میں حضرت سید الشہداء بقول صاحب روضۃ الاحباب غوثی بن یزید اصبحی یا بشیر بن مالک نے ابن زیاد کے پاس لاکر رکھ دیا۔ بشیر ابن مالک نے ابن زیاد کے سامنے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا "ہماری رکاب کو سونے چاندی سے بھر دے کیونکہ میں نے ایسے بادشاہ کو قتل کیا جو حسب و نسب کے اعتبار سے افضل و برتر تھا۔۔۔" ابن زیاد نے یہ اشعار سن کر کہا: "وہ ہوتے ہیں جب تو جانتا تھا کہ سارے جہاں میں ماں باپ کی طرف سے افضل و برتر تھے تو تو نے انہیں کیوں قتل کیا؟ خدا کی قسم، میری جانب سے تجھے ایک کوڑی بھی انعام دے دیا جائے گا۔ جب امام علیہ السلام کا سر اطہر ابن زیاد کے پاس رکھا گیا تو خوشی میں بھولا نہ سما یا اور سکا سکا کر ایک چھڑی سے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ایک پستلی سے پھینک دیا گیا تو آپ کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا: حسین تمہارے دانت کتنے خوبصورت ہیں، حضرت رسول اکرم کے بوڑھے صحابی زید بن ارقم نے جب یہ منظر دیکھا تو رپ گئے اور بولے "ارزوع قضیبک عن ہاتین الشفتین فواللہ الذی لا الہ الا هو لقد رأیت رسول اللہ تقبل موضع قضیبک من فیہ" اے پسر زیاد! اپنی چھڑی ان مبارک ہونٹوں سے ہٹالے قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے کئی بار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان ہونٹوں کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

ابن زیاد چیخ کر بولا! اے دشمن خدا اگر تو بوڑھا نہ ہوتا تو تیرا سر تیرے بدن سے جدا کر دیتا۔ زید بن ارقم نے کہا: اے زیاد کے بیٹے میں تجھ سے ایک حدیث بیان کر کے تجھے متنہ کرتا ہوں جو تجھے سخت ناگوار ہوگی۔ ایک دن میں نے بغیر اکرم کو دیکھا کہ داہنے زانو پر حسنؑ کو اور بائیں زانو پر حسینؑ کو بٹھائے ہوئے تھے اور دونوں پر دست شفقت پھیرتے ہوئے فرماتے جاتے تھے "اللہم انی استودعک ایاہما وصالح المؤمنین" اے پروردگار! میں ان دونوں (حسنؑ اور حسینؑ) اور

جو پر خیال کرتے ہو کہ تمہارے والد ساقی کوڑیوں اور سہا کو وہ محبوب رکھتے ہوں گے اسے بلائیں گے تم بھی صبر کرو تاکہ اپنے باپ کے ہاتھوں سے سیراب ہو۔ حضرت نے فرمایا: خدا اپنے چہرے سے نقاب ہٹالے تاکہ تجھے دیکھ سکوں۔ شمر نے اپنا نقاب چہرے سے ہٹایا۔ حضرت نے فرمایا: میرے نانا رسول اللہ نے پچ فرمایا تھا۔ شمر نے پوچھا: آپ کے نانا نے کیا فرمایا تھا؟ حضرت نے فرمایا: میرے نانا نے میرے پدربزرگوار سے فرمایا: تمہارے اس فرزند کو ایسا شخص جو مریں اور عیسیٰ کا ہوگا قتل کرے گا۔ اور جن کا منہ کتے کی مانند اور بالی سورج سے ہوں گے۔ شمر سخت غضبناک ہوا اور کہنے لگا: تمہارے جد نے مجھے کتے سے تشبیہ دی ہے، خدا کی قسم میں تمہیں پس گردن سے ذبح کروں گا۔ پھر اس نے حضرت کو پٹ کر آپ کی گردن پر بارہ ہنرین لگائیں اور سرتن سے جدا کر دیا۔ (ان اللہ وانا الیراجون) آپ کی شہادت واقع ہوتے ہی ہاتھ غیبی کی آواز فضا سے کر بلا میں گونجی: "قتل اللہ الامام بن الامام اخو الامام ابو الائمة الحسن بن علی علیہما السلام"۔

## سر مطہر امام کوفہ میں

شہادت کے بعد ابن سعد نے سر مطہر غوثی بن یزید اصبحی کو دیا اور حمید بن مسلم ازدی کو اس کے ساتھ لیا تاکہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جائے۔ غوثی اس سر مبارک کو لے کر سرعت کے ساتھ کوفہ کے لئے روانہ ہوا اور آدھی رات کو کوفہ پہنچا۔ چونکہ دار الامارہ کا دروازہ بند تھا اس لئے اپنے گھر لایا اور سر مبارک کو کپڑے دھونے والے طشت میں رکھ دیا۔ غوثی کے دو بویاں تھیں۔ ایک کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا اور دوسری حضرت میہم بنی حسن کا نام ڈار تھا۔ غوثی نوار کے پاس رات بسر کرنے کے لئے آیا۔ نوار نے پوچھا: کیا خبر ہے؟ غوثی نے کہا: میں تیرے لئے زیر سرخ لایا ہوں یہ سر حسینؑ ہے۔ نوار دیوانی سی ہوئی اور کہنے لگی تیرے حال پر انہوں نے۔ لوگ اپنے گھروں میں سونا چاندی لاتے ہیں اور تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند کا سر میرے لئے تجھے کے طور پر لایا ہے۔ خدا کی قسم! آج سے میرا اور تیرا سر ایک جگہ پر جمع نہ ہوگا۔ یہ کہہ کر غوثی کے پاس سے اٹھی اور امام علیہ السلام کے سر اقدس کے قریب ٹکی جو ایک مٹی کے برتن سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ مبارک سے آسمان کی طرف ایک نور ساطع ہو رہا ہے اس نے کان لگا کر سنا تو فرشتوں کے تسبیح و تہلیل کا صدائیں آ رہی تھیں اور سفید طائر اس سر مبارک کا طواف کر رہے تھے ساتھ ہی یہ بھی سنا کہ سر مبارک قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا: "وسیعلم الذین ظلموا اسی منقلب ینقلبون" اور اس کا سلسلہ رات بھر جاری رہا۔ منتہی اللآل میں کامل ہوائی سے نقل کیا گیا ہے کہ ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسین علیہ السلام کے سر مقدس کو کوفہ کی گلیوں اور کوچوں میں پھرایا جائے اس سر مبارک کو دیکھنے کے لئے مختلف قبائل کے تقریباً ایک لاکھ افراد جمع ہوئے۔ ان میں سے بعض لوگ ایک دوسرے کو تعزیت پیش کر رہے تھے اور بعض افراد آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔

زید بن ارقم کا بیان ہے کہ بازار کوفہ میں ایک مقام پر کھڑا تھا۔ جب وہ سر مبارک میرے پاس سے گذر تو میں نے اسے سورہ کہف کی تلاوت کرتے ہوئے

کے لئے دوڑ پڑی اور فوجی افسروں سے ملاقات کی۔ ایک ایک سر کے بارے میں سوال کیا اور وہ سب خارجیوں کے سر ہیں۔ ان لوگوں نے مزید پر خروچ کیا تھا۔ عبید اللہ بن زیاد نے انہیں قتل کر دیا یہ ان کے سردار کا سر ہے اور دوسرے تمام سر اس کے دوستوں اور ساتھیوں کے ہیں جنہیں مزید کے حضور میں لے جایا جا رہا ہے۔ اس وقت ایک شخص جو نصرانی تھا اس نے کہا: لوگو! میں کوفہ میں تھا یہ سر کوفہ میں لایا گیا۔ یہ کسی خارجی کا سر نہیں بلکہ یہ حسین بن علی علیہما السلام کا سر ہے جب لوگوں نے یہ سنا تو اپنے اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگے۔ ان کے ساتھ کھرسیت کے نصاریٰ بھی مل گئے اور انہوں نے ناقوس بھونکنا شروع کیا۔ اور کہتے لگے جو گروہ اپنے پیغمبر کی بیٹی کی اولاد کو قتل کر ڈالے ہم اسے شہر میں داخل ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گے اور قبیلہ اوس و خزرج کے چار ہزار سوار اکٹھا ہو گئے اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ ہم ابن زیاد کی فوج سے جنگ کریں گے۔ اور اس سر مبارک کو ان سے چھین کر اپنے شہر میں دفن کریں گے تاکہ یہ فضیلتیں ہمارے خاندان والوں کو حاصل رہے۔ جب ابن زیاد کے لشکر والوں کو اس کی خبر ہوئی وہ وہاں سے کوچ کر گئے یہاں تک کہ موصل اور سنجر کے درمیان واقع تل اعفر نامی تعلقہ کی جانب فرار کر گئے اور وہاں سے سرزمین عین الورہ پر پہنچے اور وہاں سے بھی خوفزدہ ہو کر راہ فرار اختیار کی۔

## سر مطہر دعوات اور قنسرین میں

جب ابن زیاد لشکر سمیت "دعوات" کے نزدیک پہنچا تو وہاں کے حاکم کو کھاکہ لشکر کے کھانے پینے کا سامان مہیا کر اور شہر کے عمائدین سے استقیال کے لئے فوراً آئیں۔ دعوات کے حاکم نے بگل بگلانے کا حکم دیا۔ شہر کے رؤسا و عمائدین استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے اور سچا ہوں کو شہر لے کر بلا علیہم السلام کے سروں اور اہل بیت رسول کے ساتھ، باب اللاریعین سے شہر میں داخل کیا۔ امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک کو ایک میدان میں نصب کیا۔ جب دن کا کچھ حصہ باقی رہ گیا تو منادی نے ندا دی کہ "هَذَا رَأْسُ الْحَاجِّ عَلِيِّ بْنِ أَبِي تَالِبٍ مَعْبُودٍ"۔ یہ ایک خارجی کا سر ہے جس نے مزید ابن معاویہ کے خلاف خروچ کیا تھا شہر کے آدھے لوگ گریہ کر رہے تھے اور آدھے خوشیاں منا رہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ جس میدان میں سر حسین نصب کیا گیا تھا اس واقعہ کے بعد لوگ وہاں آ کر اپنی کامیابی کی منتیں مانا کرتے تھے اور لوگوں کی منتیں پوری ہو جاتی کرتی تھیں۔ پھر یہ قافلہ دعوات سے راستہ طے کرتا ہوا قنسرین پہنچا۔ اس شہر کے تمام افراد دستارداران اہل بیت علیہم السلام تھے جب اس لشکر کے درود کی خبر اہل قنسرین کو ہوئی تو شہر کے سارے دروازے بند کر لئے اور طوطوں کی بلندی پر سے انہیں برا بھلا کہتے ہوئے ان پر سنگ باری کرنے لگے اور اس کا فر لشکر کو شہر میں داخل ہونے سے روک دیا اور بازا بلند کہنے لگے: اسے اولاد رسول خدام کے قاتلو! اگر ہم سبھی تمل ہو جائیں تو بھی اس شہر میں تمہیں داخل نہ ہونے دیں گے۔ مجبوراً یہ لشکر "معرۃ النعمان" کی جانب بلا تاخت روانہ ہو گیا۔ اس شہر کے رہنے والوں نے ان کے لئے دروازہ کھول دیا۔ (باقی صفحہ دیگر)

صالح مومنین (یعنی علیؑ) کو تیرے حضور میں امانت کے طور پر چھوڑے جانا ہوں تاکہ ہر قسم کی مکروہات سے محفوظ رہیں۔ اسے زیاد کے بیٹے! تو نے امانت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟ یہ کھلم کھلا گریہ و زاری کرتے ہوئے دربار سے باہر چلے گئے اور بازا بلند کہنے لگے: اسے عرب والو! تم نے اپنے پیغمبر کے بیٹے کو شہید کر کے امانت زیاد کے بیٹے کے حوالے کر دی تاکہ تمہارے بزرگ مرتبت لوگوں کو قتل کرے اور غلام بنائے اور تم میں شریک نہ اذاد کو اجازت دیدی کہ تمہیں ذلیل و رسوا کریں۔ خداوند عالم تمہیں اپنی رحمت سے دور رکھے جو ذلت و رسوائی کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہو۔

## سر حسین موصل میں

مشہور عالم اہل سنت عطاء اللہ شافعی اپنی کتاب روضۃ الاحباب میں تحریر کرتے ہیں: جب اہل بیت اطہار موصل کے نزدیک پہنچے تو شہر کے حاکم موصل کو خط بھیجا جس میں لکھا تھا کہ عنقریب تیرے شہر میں مزید کے دشمنوں کے سر پہنچنے والے ہیں۔ تو فرمان جاری کر کہ شہر کو آراستہ کیا جائے۔ لوگ ہمارا استقبال کریں۔ کھانے پینے کا سامان مہیا کیا جائے۔ حاکم شہر نے شہر کا خط اشرف موصل کو پڑھ کر سنایا اور کہا: اگر میں ظاہراً اجازت دے بھی دوں تو تم لوگ راہنی نہ ہو گے۔ موصل والوں نے جواب دیا: نعوذ باللہ من ذلک ہم لوگ اس گناہ نے فعل پر ہرگز راضی نہیں۔ حاکم موصل نے شہر کو لکھا: اس شہر کے باشندے زیاد تر شیعیان علی مرتضیٰ اور دستارداران آل عبا (علیہم السلام) ہیں۔ اگر اس شہر میں آنے تو بعید نہیں کہ فتنہ کھڑا ہو جائے اور خون کی ندیاں بہہ جائیں۔ شہر موصل سے ایک فرسخ کی دوری پر اترا ہوا تھا حاکم شہر نے کھانے پینے کا سامان وہیں بھیج دیا۔ امام حسین علیہ السلام کا فرق مبارک نیزے سے اتار کر نیچے ایک پتھر پر رکھ دیا تھا۔ روایت میں ہے کہ سر مبارک سے خون کا ایک قطرہ اس پتھر پر ٹپک گیا تھا۔ چنانچہ ہر سال عاشورہ کے دن اس پتھر سے تازہ خون جوشن مارا کرتا تھا اور وہاں کے لوگ جمع ہو کر عزائے حسین علیہ السلام برپا کیا کرتے تھے۔ اس کھلی ہوئی کرامت کا سلسلہ بنی امیہ کے آخری بادشاہ مروان الحجاج کے زمانے تک جاری رہا اور اس مقام کو "مشہد النقطہ" کہا جاتا تھا۔ مروان الحجاج ملعون نے اس پتھر کو کسی دوسرے مقام پر رکھوا دیا جہاں سے وہ ناپید ہو گیا۔

## سر امام حسینؑ تکریت میں

ابوحنفہ کا بیان ہے کہ اہل بیت اطہار علیہم السلام کو شہداء کے سروں کے ساتھ حصاصہ کے مشرقی حصے کی طرف سے (حصاصہ کوفہ کا ایک گاؤں ہے جو قصر بن عبیدہ کے پاس ہے) گزارا گیا اور تکریت کی جانب روانہ ہوا۔ اور تکریت کے عامل کو لکھا گیا کہ ہمارے زاد راہ اور کھانے پینے کا بندوبست کیا جائے اور ہم لوگوں کا شاندار استقبال کیا جائے کیوں کہ ہمارے ساتھ ایک خارجی (معاذ اللہ) کا سر ہے۔ تکریت کے حاکم نے حکم دیا کہ سر کو سجا جلائے اور حقیقت سے لہرائے جائیں۔ اور تکریت والوں کی مہاری جمعیت استقبال

# پی زار دین

## بازاروں اور درباروں میں

«الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَى أَبِي مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

الطَّيِّبِينَ الْأَخْيَارِ»

«ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور درود و سلام میرے پدر بزرگوار محمد اور ان پاکیزہ اور نیک آل پر»

یہاں جناب زینب نے رسول خدا کو «ابی» میرے پدر کہہ کر سلام بھیجا ہے۔ جبکہ عام طور سے اہل بیت اطہار حضرت رسول خدا کو «جدی» (جد بزرگوار) کہتے تھے۔ جناب زینب نے ابی ثناء سے کہا ہوتا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جناب زینب حضرت رسول خدا سے کس قدر نزدیک ہیں یہ قیدی کسی اور کے نہیں رسول خدا کے ہی اہل بیت ہیں جن کی رسالت کی گواہی ہر مسلمان اذان و اقامت اور نماز میں روزانہ پانچ مرتبہ دیتا ہے۔ گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا:

«اے اہل کوفہ، اے اہل فریب و دخل، کیا تم ہم پر رو رہے ہو۔ یہ انہو کبھی خشک نہ ہو، یہ فریادیں کبھی خاموش نہ ہو، تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جو دھاگے کو مضبوطی سے بستی ہے پھر خود ہی اس کو توڑ دیتی ہے (تم پیغمبر پر ایمان لائے اپنی وفاداری کا اظہار کیا پھر خود ہی سارے عہد و پیمانہ توڑ دیئے) تم نے اپنے ایمان میں اپنے مزاج کے مطابق دخل اندازی کی (ایمان کی شرطوں کو پورا نہیں کیا) تم میں تو بس چالوس اور شریر افراد ہیں، خود پسند، جھوٹے اور بلا وجہ دشمنی و بغض رکھنے والے۔ کیزیوں کے ذیل بیٹے۔ دشمنوں کی طرح طعنہ دینے والے۔ تم لوگ تو اس سبزی کی طرح ہو جو گھوڑے پر آگی ہو (ظاہر تو خوشنما ہے لیکن باطن نہایت کثیف بدبودار، باتیں اتنی عمدہ کی اچھی لگیں عمل اتنا خراب کہ تمہیں آئے)۔ یا تم اس چاندی کی طرح ہو جو خاک میں دفن ہے، تمہاری زندگی نے تمہارے لئے جو کچھ تیار کیا ہے وہ بہت بڑا ہے۔ یقیناً تم پر خدا کا عذاب ہو گا اور تم عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ گرفتار رہو گے»

«تم رو رہے ہو جبکہ تم ہی لوگوں نے ہمارے عزیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔ کیوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہو؟ خدا کی قسم تم کو زیادہ رونا چاہیے اور کم ہنسنا چاہیے۔ اس جرم کے ارتکاب سے تم نے ذلت و رسوائی حاصل کر لی ہے۔ دامن کے یہ داغ دھونے سے ہرگز پاک نہ ہوں گے (واقعاً یہ جملہ کس قدر جیتی جاگتی حقیقت ہے تا اٹلان حسین ہزار کوششوں کے باوجود آج تک اپنے دامن

کو ذرا قیام کا مرکزی شہر اور حضرت علی علیہ السلام کا دار الخلافہ تھا حضرت علی علیہ السلام کے دوستوں اور شیعوں کی کثیر تعداد یہاں آباد تھی۔ کوفہ کے دو دیوار حضرت علی علیہ السلام کے خطبات سے آشنا تھے یہاں جناب زینب رئیس مملکت کی بیٹی کی حیثیت سے رہ چکی تھیں۔ عورتیں جناب زینب کو بنت امیر المؤمنین، بنت رسول اللہ کہہ کر سلام کرتی تھیں۔ جناب زینب کا از حد احترام کرتی تھیں۔ آج اسی شہر میں جناب زینب امیر بنکر آئی ہیں۔ احترام کرنے والے تماشادیکھ رہے ہیں۔ سلام کرنے والے طنز کر رہے ہیں۔ نہ سر پر چادر ہے اور نہ مہل نہ پردہ اور بے کجاوہ اونٹ۔ لوگ فرزند رسول کے قتل پر شرمندہ ہونے کے بجائے خوشیاں منا رہے ہیں ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ ایک طرف عوام کی یہ بے حسی اور دوسری طرف برہنہ لپشت اونٹوں پر برہنہ سر بیسیاں، آگے آگے لوگ نیزہ پر عجزوں کے گئے سر، روتے چلکے پیاسے بچے۔ قید و بند میں جکڑے سید سجاد۔ اور مظلوموں کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے والے لوگ۔ مصیبت زدہ پر جب کوئی ہنستا ہے تو مصیبت دو چند ہو جاتی ہے۔ ان حالات میں کوئی ذرا جناب زینب کے قلب کی خبر لے۔ مصیبتوں کے انبوہ میں سر اٹھانا مشکل ہے چو جائیکہ گفتگو کرنا اور چو جائیکہ دشمنوں کے مجمع میں خطبہ ارشاد کرنا۔ خطبہ ارشاد کرنے کے بھی کچھ شرائط ہیں۔

خطیب ذہنی تناؤ میں نہ ہو بلکہ پوری طرح آسودہ خاطر ہو، بھوک پیاس رنج و الم کا غلبہ نہ ہو۔ یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ بھوک پیاس کا عالم یہ ہے کہ پوچھنا ہی نہیں۔ خطیب کی بھوک اور پیاس کی شدت کا اندازہ شکل اور طرفہ تماشایہ کہ ساتھ میں بھوک اور پیاس سے سسکتے اور چلکتے بچے اس پر ہول اور دہشت ناک ماحول میں اور پھر جدھر بھی لگاوا لگتی ہے تاحذر نظر دشمنوں کا مجمع، ہر اٹھنے والی نگاہ نفرت سے بھری دکھائی دیتی اس کے باوجود خطیب منبر سلونی کی بیٹی نے جب زبان کھولی، قاتلوں کے دل بلا دیئے۔ تماشائیوں کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ استہزاء کی آوازیں گریہ و لکائیں تبدیل ہوئیں۔

جب خطبہ دینے کا ارادہ کیا تو بس ایک اشارہ کیا اور سارے مجمع پر سکوت طاری ہو گیا۔ انسانوں کے ساتھ ساتھ جانور بھی خاموش ہو گئے۔ اللہ سے رعب و جلال۔ اللہ سے کائنات پر تسلط و اختیار۔ اور اس اختیار کے باوجود اللہ سے صبر و ضبط۔ پھر خطبہ اس طرح شروع فرمایا:

قیدیوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اہل حرم اس حال میں دربار میں لائے گئے کہ دیکھ کر رونے لگے۔ امام حسین علیہ السلام کا سر اقدس ایک طشت میں ابن زیاد ملعون کے سامنے رکھ دیا گیا اور جن لوگوں کا حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ لیا کرتے تھے اس پر وہ ملعون چھڑی مارنے لگا۔

وہ یہ کام اس لئے کر رہا تھا کہ اپنی فتح کا اعلان کر سکے اور لوگوں پر اپنا رعب جما سکے۔ اپنے ظلم سے ان کو دہلا سکے اور یہ جتا سکے کہ اب بنی ہاشم اور رسول خدا کے خاندان میں دم خم نہیں ہے۔ سارے افراد قتل کئے جا چکے ہیں۔ اور اب اس کی حکومت اور بیزاری کی حکومت کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

دربار کا یہ منظر دیکھ کر عقیدہ بنی ہاشم جناب زینب سلام اللہ علیہا نفرت کی نگاہ ڈالنے ہوئے عملی اعتراف کرتے ہوئے عورتوں سے الگ جا بیٹھیں۔ انداز سے بالکل واضح تھا کہ اس ماحول سے وہ سخت ناراض ہیں۔ چہرہ پر خاندان امامت کا رعب و جلال تھا۔ رخ پر چادر تطہیر کا پردہ تھا۔

ابن زیاد نے دریافت کیا، کنارے بیٹھنے والی عورت کون ہے؟ میرے دربار میں آئی زیاد دہے رخ برتنے والی کون ہے؟

لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین علی کی بیٹی زینب عقیلہ ہیں۔

یہ سن کر گویا ابن زیاد ملعون کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اپنے دل کی آگ بجھانے کے لئے اور جناب زینب سلام اللہ علیہا کے دل حزیں کو اور زیادہ اذیت دینے کے لئے اس نے کہا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَكُمْ وَفَضَّلَكُمْ وَأَكْذَبَ أَحَدًا وَشَتَّكُمْ

اس خدا کی حمد جس نے تمہیں (معاذ اللہ) ذلیل کیا اور تمہیں قتل کیا اور تمہاری باتوں کو جھوٹا کر دکھایا۔

جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی لاڈلی، ماں کی طرح دربار میں کھڑی ہوئی۔ ہر طرح کے خوف سے بے خوف ہو کر رعب و جلال شاہی کو یہ سیر دل تلے روندتے ہوئے اور اس طرح جواب دیا، نہ الفاظ میں تھر تھراہٹ تھی اور نہ لہجے میں کپکپی:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَكْرَمَنَا بِبَيْتِهِ، مَحَمَّدٌ وَطَهْرَتَا مِنْ التَّجَسُّسِ تَطْهِيرًا - إِنَّمَا يَفْتَضِّحُ الْفَاسِقُ وَيَكْذِبُ الْفَاجِرُ وَهُوَ عَيْرُنَا -

”اس خداوند عالم کی حمد و ثنا ہے جس نے اپنے نبی محمد کے ذریعہ ہمیں عزت و بزرگی عطا کی اور ہمیں ہر طرح کے رس و عیب سے پوری طرح پاک و پاکیزہ رکھا۔ یقیناً بس فاسق ہی ذلیل و رسوا ہوتا ہے اور فاجر ہی جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہم نہیں ہیں بلکہ دوسرا ہے۔“

جناب زینب نے کس حسین انداز میں ابن زیاد کا جواب دیا۔ خدا نے ہمیں نبی اکرم کے ذریعہ عزت و بزرگی دی۔ یعنی نبی کا تعلق ہم سے ہے تم سے نہیں۔ ہماری عزت خدا کی عطا کردہ ہے جس کو تم کسی بھی حالت میں سلب نہیں کر سکتے ہو اور چونکہ خداوند عالم نے ہمیں ہر طرح کے عیب و نقص سے پاک و پاکیزہ رکھا ہے۔ فسق و فجور کا ہمارے یہاں گذر نہیں ہے ہم جو بات کہیں گے وہ صحیح ہوگی اور ہماری جو نسبت دی جائے گی وہ غلط ہوگی۔ جناب زینب نے واضح

ہونے کے دہے شانہ کے) یہ داغ کیونکر دھل سکتے ہیں، تم نے خاتم النبیین اور نحر رسالت کے فرزند، جوانان بہشت کے سردار، تمہارے نیگو کاروں کی پناہ گاہ، منطلو موں کے ملبھا و ماوئی، دیلوں کے مینار، اور سنتوں کے مدار کو قتل کیا ہے۔ تم نے کتنے برسے کام کا ارتکاب کیا ہے۔ ہلاکت و بربادی ہو تمہارے اوپر۔ تم پر خدا کا عذاب ہو۔ اب تمہاری کوششیں بے نتیجہ ہیں۔ اب ہاتھ کٹ چکے ہیں۔ ہمتیں سخت نقصان ہو رہے۔ تم پلٹ پلٹ کر خدا و رسول کے عذاب کی طرف آرہے ہو۔ ذلت و رسوائی، تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔“

”اے اہل کوفہ تم پر لعنت ہو کیونکہ تم نے رسول خدا کے کس جگر گوشہ کو قتل کیا ہے؟ اور ان کی کن شریف زادوں کو تم نے بے پردہ کیا ہے؟ اور تم نے کس کا خون بہایا ہے؟ اور کس کی حرمت پامال کی ہے؟ تم نے بہت ہی برا کام انجام دیا ہے۔ اتنا برا کام انجام دیا ہے کہ عنقریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے، زمین شقی ہو جائے پھار ٹوٹ نکلتی ہو جائے۔“

”تم نے کتنی زیادہ بے غیری اور شرمندگی کا کام انجام دیا ہے۔ ایسا برا کام جس سے ساری زمین بھر گئی آسمان پڑ ہو گیا۔ کوئی تعجب نہیں اگر آسمان سے خون برسے اور یقیناً آخرت کا عذاب تو زیادہ رسوا کرنے والا ہے۔ پھر اس دن کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ ہوگا اور ان کو ذرا سی بہت دی جائے گی۔ خداوند عالم عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ سزا کے ختم ہو جانے کا اسے خوف نہیں ہے۔ یقیناً تمہارا پروردگار تمہاری تاک میں ہے۔“

اس وقت حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اے بھوپھی اب خاموش ہو جائیے۔ الحمد للہ آپ عالم غیر معلم اور فہم غیر مفہم ہیں۔ (آپ کا علم و فہم کسی سے حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ عطا خاص خداوندی ہے)۔ (مقتل الحسین رقم ص ۱۲۱، ۲۱۲ - اہوف ص ۶۸ - احتجاج طبری ج ۲ ص ۳۱ - بحف - بلاغات الساد ص ۲۳ - ادب الحسین و حماستہ احمد ص ۱۷۱/۱۷۲)۔

بشیر بن خزیمہ اسی کا بیان ہے: ”خدا کی قسم میں نے حیا و عفت میں ڈوبی ہوئی کسی عورت کو نہیں دیکھا جو زینب علیہا السلام سے بہتر لگ کرے۔ انہوں نے اس طرح خطبہ دیا گویا حضرت علی علیہ السلام کی زبان سے الفاظ جاری ہو رہے ہیں:“

(اہوف ص ۸۸ ط / رقم)

اس خطبہ کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ قتل امام حسین علیہ السلام کے بعد خوشیاں منا رہے تھے انہیں اپنے جرم کا احساس ہونے لگا۔ ان کا وجود خود ان کی نظروں میں ذلیل نظر آنے لگا۔ اس دن کوفہ والوں کی حالت یہ تھی کہ حیران و پریشان تھے آنسو بہا رہے تھے۔ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی انگلیاں چا رہے تھے۔ بنی امیہ اور ان کے طرفداروں کے سارے پروپیگنڈے خاک میں مل گئے۔ جناب زینب نے آخری میں فرمایا: ”خداوند عالم عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔“

## دربار ابن زیاد :-

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے مذکورہ خطبہ بانا کوفہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ جب ابن زیاد خلیفہ کی چھانڈ سے واپس آیا اور قصر الامارہ میں داخل ہوا اور دربار سجانے کا حکم دے کر لوگوں کو دربار میں داخل ہونے کا اذن عام دے دیا اور

غمر زدہ، داغ دیدہ، بستم رسیدہ امیروں کا قافلہ شام روانہ ہوا۔ امام زین العابدین علیہ السلام اس طرح لے جائے گئے کہ ہاتھ پس گردن سے بندھے ہوئے تھے۔ اہل حرم ساتھ ساتھ تھے۔ راستوں کی مصیبتیں برداشت کرتا ہوا قافلہ جب شام کے دربار میں پہنچا۔ سچے دربار میں یزید نے جو اشعار پڑھے وہ اس کے خاندان کے عقائد اور دلی جذبات کے ترجمان تھے۔ ان اشعار سے صاف واضح ہے کہ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اشعار کا مفہوم یہ ہے:

« اگر اس وقت میرے آباؤ اجداد زندہ ہوتے تو بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔ میں نے کس طرح انکا بدلہ لیا۔ ہاشم کے خاندان نے ایک کھیل کھیلا تھا ورنہ نہ کوئی نبی آیا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی »

اس مرتبہ بھی علیؑ کی شہرہ دل بیٹی، عزم فاطمی کے ساتھ اٹھی اور خلافت کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور اپنی مادر گرامی کی طرح حاکم وقت کو بھرے مجمع میں سر دربار رسوا کر دیا۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اپنا خطبہ اس طرح شروع کیا: « **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** » عالمین کے پروردگار خدا کی حمد و ثنا خدا کے رسول اور ان کی آل پر درود و سلام۔ خداوند عالم نے سچ فرمایا ہے « جن لوگوں نے برے کام انجام دیئے ہیں اور خدا کی آیتوں کو جھٹلایا اور اس کا مذاق اڑایا ہے ان کا انجام (بہت) بُرا ہوگا » (روم ۹)

« اسے یزید اکیلا تو یہ گمان کرتا ہے کہ تو نے آسمان وزمین کی وسعتوں کو ہمارے لئے تنگ کر دیا ہے اور ہمیں قیدی بنا کر در دہر پھرایا ہے۔ خدا کے نزدیک ہمارا سبکی اور تیری عزت کا سبب ہے اور یہ سوچ سوچ کہ تو بھولے نہیں سمارا ہے اور غرور و تکبر سے اپنے آپ کو دیکھ رہا ہے اور خوشی سے بھولے نہیں سمارا ہے۔ تو دیکھ رہا ہے کہ تیری دنیا آباد ہے اور کام رو براہ ہیں اور جو منصب و مقام ہمارے لئے تھا اس پر تو نے قبضہ جما لیا ہے (اگر اس طرح کے باطل خیالات تیرے ذہن میں ہیں) تو زیادہ جلدی نہ کر ڈرا ٹھہر۔ کیا تو قرآن میں (تو جو وحی کا انکار کر رہا ہے تو یہ قرآن اس کا زندہ ثبوت ہے اور تیری باتوں کے غلط ہونے کے لئے کافی ہے) خدا کا یہ قول بھول گیا۔ « جن لوگوں نے کفر کیا وہ سرگزیہ خیال نہ کریں کہ ہم ان کی بہتری کے لئے ان کو مہلت دے رہے ہیں ہم ان کو اس لئے مہلت دے رہے ہیں کہ تاکہ وہ اپنی گناہوں میں غور و فکر کریں اور ان کے لئے دردناک اور رسوائی کا عذاب ہے » (آل عمران ۱۷۲)

اے طلقاء (آزاد کردہ)۔ جمع مکہ کے موقع پر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو جن میں اوسفیان اور دیگر بنی امیہ شامل ہیں یہ کہہ کر آزاد کر دیا تھا « اذھبوا فانتھم الطلقاء » جاؤ تم سب آزاد ہو۔ جناب زینب اس لفظ کے ذریعہ اس تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں اور اسلام میں بنی امیہ کی حیثیت واضح کر رہی ہیں) کے بیٹے۔ کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ تیری عورتیں اور کنیزیں تو پر دے میں رہیں اور رسول خدا کی بیٹیاں قیدی بن کر چھرائی جائیں؟ ان کا پردہ لوٹ لیا جائے، ان کو بے نقاب کر دیا جائے، اور دشمن ان کو ایک شہر سے دوسرے شہر دیدار پھراتے رہیں۔ شریف و ذلیل ان کو دیکھیں، نزدیک و قریب کے لوگ ان کو گھور کر دیکھیں، نہ تو کوئی مدد کرنے والا ہو اور نہ مردوں میں کوئی ان کا ولی و سرپرست ہو، وہ کس طرح دم

کر دیا کہ آیت تطہیر ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ ابن زیاد جیسے ملعون کا خاموشی سے سن لینا اور اعتراض کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بھی آیت تطہیر کو اہل بیت اطہار علیہم السلام کی شان میں جانتا ہے۔

جب کوئی جواب نہ بن سکا۔ اس وقت ابن زیاد نے اپنے دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا:

« آپ نے اپنے اہل بیت کے سلسلے میں خدا کے کام کو کس طرح پایا؟ یہ جملہ نظریہ جبر کا ترجمان ہے کہ ہم نے کوئی کام انجام نہیں دیا بلکہ سارا کام خدا نے انجام دیا ہے اور خدا نے آپ کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے۔ یعنی واقعہ کربلا کا ذمہ دار خداوند عالم ہے ہم نہیں۔

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے اس جملہ کے پیچھے پوشیدہ نظریات و مقاصد کو باطل کرنے کے لئے ارشاد فرمایا:

« میں نے خدا کے کام کو بہترین پایا۔ خدا نے ان کے لئے شہادت معین کر دی تھی تو وہ لوگ شہادت گاہ میں آئے۔ لیکن عنقریب خداوند عالم ہمیں اور انہیں بچا کر سے گا پھر وہاں مقدمہ پیش ہوگا وہاں وہ لوگ تیرے خلاف دلیل پیش کریں گے دیکھ لینا کامیاب کسے ملتی ہے۔ اے مرجانہ کے بیٹے اس دن تیری ماں تیرے اوپر گمبیرہ کرے گی »

جناب زینب نے واضح کر دیا اس دن تیرے پاس کوئی جواب نہ ہوگا ذلت و رسوائی تیرا مقدر ہوگی۔ اس دن تجھے معلوم ہوگا فتح کس کو ملی اور شکست کس کے حصے میں آئی۔ جناب زینب نے بھرے دربار میں کرسی نشینوں کے مجمع میں اسلم بردار سپاہیوں کی نگاہوں کے سامنے، غرور و تکبر میں دعت ابن زیاد کو دلیل و رسوا کر دیا۔ ابن زیاد کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ واقعہ کربلا میں تحریف کی سازش کو ناکام کر دیا۔ ابن زیاد سر دربار اپنی ذلت و رسوائی اور شکست فاش دیکھ کر بلبلا گیا اور غصے کا پینے لگا۔ (مقتل اطمین مرقم ۳۲۴ ط. تم)

جب ابن زیاد سے کچھ نہ بن سکا تو دل دکھانے کے لئے کہنے لگا: « تم اہل بیت کے باغیوں، گناہگاروں اور سرکشوں کے قتل سے خدا نے میرے دل کو شفا دی ہے؛ یہ سن کر جناب زینب کی آنکھوں میں آنسو گئے اور فرماتے لیکن:

« قسم خدا کی تم نے میرے بزرگوں کو قتل کیا ہے۔ میرے اہل بیت کو تم نے دروہ پھرایا۔ میری سانس کو قطع کیا میری جود کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اگر انہیں باتوں سے تمہارا دل ٹھنڈا ہوتا ہے تو دل ٹھنڈا کرے »

(کامل ابن اثیر ۳۲۴ - مقتل خوارزمی ۴۲/۲)

یہاں بھی جناب زینب نے ابن زیاد کی بات غلط قرار دی۔ میرے اہل بیت کو خدا نے قتل نہیں، تم نے اور تمہارے سپاہیوں نے قتل کیا ہے۔

## دربار یزید

یزید ملعون کو جب امام حسین علیہ السلام کے قتل کی خبر ملی تو بہت خوش ہوا۔ امیر المومنین علیہ السلام کی خبر شہادت سے معاویہ بھی خوش ہوا تھا جناب حمزہ کی شہادت سے یزید کی وادی ہندہ خوش ہوئی تھی۔ اس نے ابن زیاد کو خط لکھا کہ امیروں کو فوراً شام روانہ کر دیا جائے۔

”اے یزید! تو اپنے تمام حربے استعمال کرے اپنی ساری سعی و کوشش انجام دے لے۔ اپنی پوری طاقت صرف کر دے، لیکن خدا کی قسم تو ہمارے تذکرہ کو مٹا نہیں سکتا اور ہماری وحی کو ختم نہیں کر سکتا ہے اور ذلت و رسوائی کو اپنے سے دور نہیں کر سکتا ہے۔ تیری رائے و فکر بہت ہی کمزور ہے تیری زندگی بس چند دن کی ہے تیری نشست بس چند روزہ ہے اور جس دن ایک منادی ندا دے گا یقیناً خداوند عالم کی لعنت ظالموں پر ہے۔“

”وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ عالمین کے پروردگار کی حمد و ثنا جس نے ہماری ابتداء سعادت و مغفرت قرار دی اور انجام شہادت و رحمت خدا کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ شہیدوں کو کامل ترین ثواب عطا کرے اور اس میں مزید اضافہ کرے۔ اور ہماری جائز نشینی کو بہترین قرار دے بے شک وہ رحیم اور مہربان ہے۔ خدا ہمارے لئے کافی اور وہی بہترین وکیل ہے۔ (بلاغات السامیہ ص ۲۱۰ نقل خوارزمی ۶۴/۲۰۰ مقل حسین مرقم ۳۵، ۳۶ ادب الحسین و حواشیہ ۱۸۱/۱۷۹)۔

اس خطبہ کے الفاظ پر غور کیجئے اور ستم زدہ مصیبت میں مبتلا قید و اسیر جناب زینب کی شجاعت کو دیکھئے نہ آواز میں کوئی لرزش ہے اور نہ لہجے میں کوئی معذرت اور نہ اظہارِ اندامت بلکہ قتل و شہادت کو اپنے لئے سرمایہ اختیار و سعادت اور ظالم کے لئے رسوائی و ذلت قرار دے رہی ہیں۔ جناب زینب نے بھرے دربار میں فرمایا تھا ”تو ہمارے تذکرہ کو مٹا نہیں سکتا ہے اور ہماری وحی کو ختم نہیں کر سکتا ہے“ آج تک ہر اذان و نماز، تمام ارکان دین اس جملہ کی تائید و تصدیق کر رہے ہیں کچھ یزیدی آج بھی اس تذکرہ کو مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن ان کا انجام بھی اپنے بزرگوں کی طرح ہو گا۔

خداوند عالم ہماری خواتین کو جناب زینب سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے تاکہ اس ظلم و کفر کے ماحول میں عدل و اسلامی تعلیمات کو زندہ کر سکیں۔ وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

### بقیہ: سرِ حسینؑ کی دکھ بھری داستان

وہاں ابن زیاد کا لشکر فرکش ہوا۔ لوگوں نے لشکر والوں کے لئے کھانے پینے کا سامان مہیا کیا۔ اہل شہر گروہ گروہ سرِ مطہر کا تماشا دیکھنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ لشکر والوں نے وہ رات چین سے بسر کی۔ صبح ہوتے ہی لشکر روانہ ہو گیا معرۃ النعمان سے ”شیرِ زہر“ پہنچا۔ اہل شہر نے انہیں راستہ نہ دیا اور جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بالآخر وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ اب ان کے لئے ”قلعہ کفر طاب“ کا راستہ تھا۔ جب وہاں پہنچے تو اہل کفر طاب نے انہیں روک دیا اور بلائے قلعہ سے بڑا بھلا اور لعن طعن کرنے لگے۔ چونکہ قلعہ بہت مضبوط اور مستحکم تھا جس پر قبضہ ناممکن تھا۔ چاروٹا چاروٹا سے روانہ ہو کر ”سببِ زہر“ کے علاقے میں پہنچے۔ (ذاتِ تمام)۔

کی امید لگا سکتا ہے جو پاکیزہ لوگوں کا جگر چہارم ہو اور جس کا گوشت پوست شہداء اسلام کے خون سے تیار ہوا ہو وہ ہم اہل بیت کی عداوت و دشمنی میں کس طرح کوتاہی کر سکتا ہے جس نے ان کو بغض و عناد کی نظر سے دیکھا ہو اور جس کا دل ہمارے یکینے سے بھرا ہو۔ اور پھر توجہ کے احساس کے بغیر اور نہایت بے حیائی سے یہ کہے ”اگر آباد و اجداد ہوتے تو مجھے مبارکباد دیتے اور کہتے یزید تیرے ہاتھ مثل نہ ہوں؟“ اور یہ جملہ کہتے وقت جو انان جنت کے سردار حضرت اباعبد اللہ حسین کے ہوں پر چھڑی مارے اور بھرے مجمع میں ان کو داغدار کرے۔ اور یہ تو جملے کیوں نہ کہے، تو نے ہی زخموں کو شگافہ کیا ہے۔ تو نے ہی ذریت رسولِ خدا کا خون بہایا ہے۔ خاندانِ عبدالمطلب سے زمین کے ستاروں کو خاموش کیا ہے اور تو اپنے آبا و اجداد کو آواز دے رہا ہے اور ان سے اپنے خیال میں باتیں کر رہا ہے عنقریب تو بھی انہیں لوگوں سے جا ملے گا۔ اور اس وقت یہ آرزو کرے گا کہ کاش! میرے بازو مثل اور میری زبان گنگ ہوتی، اور کچھ نہیں کہتا کہ کاش نہ کرنا اور جو کچھ کہتا ہے کاش نہ کہتا۔“

”قسم خدا کی اے یزید! اس ظلم و جرم سے تو نے خود اپنی جلد پارہ پارہ کر لی اور خود اپنے گوشت کے ٹکڑے کئے ہیں۔ تم حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کس طرح حاضر ہو گے جب تم ان کے اہل بیت کا خون بہا چکے ہو۔ ان کی حرمت پامال کر چکے ہو۔ ہاں اس دن جب خدا ان کو جمع کرے گا اور ان کے بکھرے ہوئے کو یکجا کرے گا اور ان کا حق واپس لے گا۔ خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کو ہرگز ہرگز مردہ خیال تک نہ کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق حاصل کر رہے ہیں۔ (آل عمران ۱۶۳)“

”اے یزید تیرے لئے بس ہے کہ خدا حکم کرنے والا ہو اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ شکایت کرنے والے ہوں اور جناب جبرئیل ان کے مددگار ہوں۔ ان لوگوں کو بھی عنقریب معلوم ہو جائے گا جنہوں نے تجھے اس جگہ بٹھایا ہے اور مسلمانوں کے گردن پر سوار کیا ہے۔ ظالموں کا انجام کتنا بڑا ہو گا اور تم لوگوں کا ٹھکانا کتنا آفتوں سے بھرا ہو گا۔ اور تمہارا گروہ کتنا زیادہ کمزور ہو گا۔“

”اے یزید! اگر حالات و مصائب نے مجھے یہاں کھڑا کر دیا ہے کہ تجھے تجھ کو مخاطب کرنا پڑے لیکن میں تجھ کو حقیر جانتی ہوں تیری حد درجہ ملامت اور توبیخ کرتی ہوں اور کیوں نہ ہو، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہیں اور دل عزیز و اقارب کے فراق میں جل رہا ہے۔“

”تعجب اور زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ خدا کا منتخب کردہ شریف گروہ شیطان اور آزار دہ گردہ (طلقاً) لوگوں کے ہاتھوں سے قتل ہو۔ تمہارے یہ ہاتھ ہمارے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تمہارے دہن خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوشت سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہاتھ! پاک و پاکیزہ طیب و طاہر بدن زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور جانور ان ممالک ان کو دیکھ رہے ہیں۔ بیابان کی گرد و خاک ان پر پڑ رہی ہے۔ اے یزید! اگر تو نے ہمارے قتل اور ہماری قید و اسیری کو غنیمت شمار کیا ہے تو عنقریب تجھ کو پتہ چل جائے گا تو ہو گا اور تیرے اعمال ہوں گے۔ اس دن کوئی ذخیرہ کام نہ آئے گا۔ خداوند عالم اپنے بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا ہے اللہ کی بارگاہ میں شکایت ہے اور اس کی ذات پر کبہر دوسرے۔“

# اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

جَسَاؤِ سِرِّ اسِيكَ يَا بِنْتِ مُحَمَّدٍ  
فَتَلَوُا جِهَارًا عَامِدِينَ رَسُولًا  
فَتَلَوُكَ عَطَشَانًا وَكَمَا يَرِ قَبُورًا  
فِي قَتْلِكَ التَّوِيلِ وَالتَّنْزِيلِ  
وَيَكْفُرُونَ بِأَنْ قَتَلْتَ وَإِسْمَا  
فَتَلَوُا بِكَ الشُّكْرَ وَالشَّهَادَةَ

ترجمہ: اے فرزندِ بول! گویا پیغمبرِ خدا کو دیدہ و دانستہ قتل کیا تھے کہ  
پیا سامارا۔ اور تیرے قتل میں تاویل و تنزیل کا لحاظ نہ کیا۔ تیرے قتل پر تکبر  
کہتے ہیں۔ فی الحقیقت تیرے قتل سے اشقیائے تکبر و تحلیل کو قتل کر دیا۔

شام کی اذیتوں میں ایک اذیت کا ذکر صاحبِ ابوف نے لکھا ہے کہ وہ  
قید خانہ جس میں اہلبیت رسول کو تقریباً ایک سال رکھا گیا اس میں سورج کی  
تمازت کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہو گئیں اور ایک  
بار قید خانہ سے رہائی کے بعد جب امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنی چھوٹی  
کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو تعجب سے پوچھا چھوٹی ماں آپ تو نافذ  
سبھی بیٹھ کر نماز ادا کرتی تھیں۔ یہ آج کیا بات ہے کہ واجب نماز بھی بیٹھ کر ادا  
کر رہی ہیں۔ جناب زینب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہا بیٹا یہ نہ پوچھو۔ جب  
امام زین العابدین نے اصرار کیا تو جناب زینب نے کہا کہ بیٹا قید خانے میں  
کھانا اور پانی اتنا کم آتا تھا کہ میں اپنے حصے کا سارا کھانا اور پانی بچوں کو دے  
دیا کرتی تھی۔ فاقے کی شدت سے مجھ میں اتنی کمزوری آگئی کہ اب میں نماز بھی  
کھڑے ہو کر نہیں ادا کر سکتی۔

بعض کتابوں میں ملتا ہے کہ جب شہر بعلبک کے قریب پہنچے تو  
وہاں کے حاکم کو اطلاع دی گئی چنانچہ اس نے اپنے آدمی یزیدی سپاہ کے  
استقبال کو روانہ کئے۔ یہ لوگ چھ فرسخ شہر سے پہلے اسیروں کے قافلے کو دیکھ کر  
خوشیاں منانے لگے۔ اس وقت حضرت امام علیہ السلام ان ملعونوں کو خوشیاں  
مناتے دیکھ کر گریہ فرماتے لگے اور اس ملعون کے اشعار پڑھے:

«مصائب و مکروہات زمانے کے کم نہیں ہوتے، کب تک  
ہم کشاکش میں گزرتا رہیں گے۔ ہم کو شران بے کجاہ پر لئے  
جا رہے ہیں۔ گویا ہم اسیرانِ روم ہیں»

ابن نمسانے نے علی ابن الحسین سے روایت کی ہے حضرت نے  
فرمایا: ہم بارہ آدمی طوقِ ذنجیر میں مقید یزید کے پاس لائے گئے۔ جب ہم اس  
ملعون کے آگے کھڑے کئے گئے تو میں نے کہا: اے یزید! تجھے خدا کی قسم کیا

لفظ شام سنتے ہی جہانِ اہلبیت کے ذہنوں میں امام سجاد علیہ السلام کے  
کرناک الفاظ گونجنے لگتے ہیں جب کوئی امام زین العابدین علیہ السلام سے دریافت  
کرتا کہ مولا آپ کو سب سے زیادہ تکلیف کا سامنا کہاں کرنا پڑا تو آپ تین بار  
فرماتے الشام الشام الشام۔

تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے کہ ۱۶ ربیع الاول ۳۷ھ کو مدینہ کے دن قافلہ دمشق  
پہنچا اور کس عالم میں پہنچا، اس سلسلے میں صاحبِ مناقب نے زید سے اور انہوں  
نے اپنے آباؤ سے نقل کیا ہے کہ سہل بن سعد نے کہا کہ ایک بار میں نے بیت المقدس  
کا سفر کیا، شام میں ایک ایسے شہر میں پہنچا جہاں نہریں اور درختوں کی بہتات  
تھی۔ اس شہر کی سجاوٹ میں بڑا اہتمام کیا گیا تھا۔ ہر طرف خوشنما ریشمی پردے  
آویزاں تھے۔ اہل شہر خرم و شادان، عورتیں دف و طبل بجا بجا کر خوشیاں منا رہی  
تھیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اہل شام کے یہاں تو کوئی ایسی عید نہیں جیسے ہم نہ  
جاتے ہوں۔ ناگاہ میں نے دیکھا کہ چند درہم ہاتھ میں کور رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا  
آج کوئی عید ہے جو ہم کو معلوم نہیں۔ انہوں نے کہا اے شیخ تو عراقی معلوم ہوتا ہے۔  
میں نے جواب دیا میں سہل ابن سعد ہوں۔ میں نے پیغمبر کی زیارت کی ہے۔ دو گوں  
نے کہا اے سہل مقام تعجب ہے کہ آسمان سے خون نہیں برستا اور زمین دھنس  
نہیں جاتی۔ میں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا امام حسین علیہ السلام کا سر عراق  
سے آ رہا ہے۔ میں نے کہا وا عجبا حسین کا سر آتا ہے اور لوگ خوشیاں ملتے ہیں۔  
کس طرف سے آئے گا؟ انہوں نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ جسے باب  
الساعات کہتے ہیں۔ اس عرصے میں پے در پے نشانِ نمودار ہوئے اور ایک سوار  
نیزہ ہاتھوں میں لئے ہوئے دکھائی دیا اس کی ٹوک پر ایک سر تھا جو پیغمبرِ خدا سے  
بہت زیادہ مشابہ تھا۔ اور اس سوار کے پیچھے ادنیوں پر کچھ بیبیاں ظاہر ہوئیں  
ایک بچی کے پاس گیا اور دریافت کیا اے بیٹی تو کون ہے؟ اس نے کہا میں سکینہ  
بنت حسین ہوں۔ میں نے کہا اب کی کوئی ضرورت ہو تو بیان کریں۔ فرمایا  
اے سہل اس نیزہ دار سے کہدو کہ تھوڑا آگے چلا جائے تاکہ لوگ سر دیکھنے میں مشغول  
ہو جائیں اور لوگ حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تماشا دیکھنے سے باز رہیں۔ سہل  
کہتا ہے میں اس ملعون کے پاس گیا اور اس سے کہا تو مجھ سے چار سو دینار لے اور  
میرا یہ کام کر دے۔ اس نے چار سو دینار لئے اور سر مبارک کو یزید کے پاس لے گئے۔  
سید علیہ الرحمۃ نے نقل کیا ہے کہ جب سر پر نور امام حسین علیہ السلام شام  
پہنچا تو ایک شخص جو ان مثل تابعین سے تھا اپنے اصحاب سے جدا ہو کر ایک ماہ  
پوشیدہ رہا جب ظاہر ہوا تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا تم نہیں جانتے کہ  
کیا مصیبت کبریٰ دستِ عظمیٰ وقوع میں آیا، پھر اس نے یہ اشعار زبان پر جاری کئے۔

أَنَا ابْنُ الْمُقْتُولِ ظَلَمًا مِّنْ أَسْوَءِ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ جُؤَيْبِ بْنِ جَعْفَرٍ  
 قَتَلَ كَرْدًا لَّيْلًا - أَنَا ابْنُ الْمَجْرُومِ وَالرَّاسِ مِنْ الْقَفَا مِثْلًا اسکا  
 فرزند ہوں جس کو پس گردن سے ذبح کیا گیا۔ انا ابن العطشان حقّی قفلی  
 میں اس پیلے کا فرزند ہوں جس کو آخری دم تک پانی نہ ملا۔ انا ابن  
 طریح کربلا میں اس کا فرزند ہوں جو کربلا جو کربلا کی ریتی پر خاک و  
 خون میں لوٹا۔ انا ابن المسلوب العمامة والرداء میں اس  
 کا فرزند ہوں جس کا عمامہ و ردا لوٹ لیا گیا۔ انا ابن من بکت  
 علیہ ملائکة السماء میں اس کا فرزند ہوں جس پر ملائکہ آسمان  
 نے گریہ کیا۔

أَنَا ابْنُ مَنْ رَأَسَهُ عَلَى السَّنَانِ يَهُوسَى مِثْلًا اسکا  
 فرزند ہوں جس کا سر اقدس نیزہ پر رکھ کر تحفہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ انا ابن  
 مَنْ حَرَمَهُ مِنَ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ تَسْبِي مِثْلًا میں اس کا  
 فرزند ہوں جس کے اہل حرم عراق سے شام تک قیدی بنا کر لے جائے گئے۔  
 اس کے بعد فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى وَلَهُ الْحَمْدُ  
 ابْتَلَا نَا أَهْلَ الْبَيْتِ بِلَا عَظْمٍ حَيْثُ  
 جَعَلَ رَايَةَ الْهُدَى وَالْعَدْلِ وَالْتَقَى فِينَا  
 وَجَعَلَ رَايَةَ الضَّلَالَةِ وَالرَّدَى فِي عَيْنِنَا  
 اے لوگو! شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہم اہلبیت کا اچھی طرح امتحان  
 لیا اور ہم کو ہدایت، عدل و انصاف اور تقویٰ کا علم عنایت کیا۔ جس طرح ہمارا  
 حریف کو گمراہ و ہلاکت کا نشان دیا ہے۔

فَضَّلْنَا أَهْلَ الْبَيْتِ بِسِتِّ خَصَالٍ  
 ہم اہل بیت کو اللہ نے چھ خصلتوں سے ممتاز کیا ہے  
 فَضَّلْنَا بِالْعِلْمِ وَالْحِلْمِ وَالشُّجَاعَةِ وَالسَّمْحَةِ  
 وَالْحُبَّةِ وَالْمَحَلَّةِ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ  
 اس نے ہم کو علم و حلم و شجاعت و سخاوت اور مومنین کے دلوں میں ہماری  
 محبت و احترام و تکریم کو فضیلت دیا ہے۔

اس قسم کے کلمات حضرت فرماتے رہے یہاں تک کہ حاضرین میں  
 بے چینی کے آثار ظاہر ہوئے۔ یزید نے حالات کو قابو میں رکھنے کے لئے مؤذن کو  
 اشارہ کیا اس نے اذان شروع کی۔ جب اس نے تکبیر کہی تو حضرت نے فرمایا میں  
 گواہی دیتا ہوں۔ اس چیز کی جس کی تو گواہی دیتا ہے۔ پس مؤذن نے جس وقت  
 کہا اَشْهَدُ أَنْ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ حضرت نے فرمایا: اے  
 یزید! محمد میرے جد ہیں یا تیرے۔ اگر اپنا جد جانتا ہے تو جھوٹا ہے اور اگر  
 میرے جد ہیں تو بتا کہ تو نے میرے باپ کو قتل کیوں کیا اور ان کے حرم کو قیدی  
 کیوں بنایا۔ اس کے بعد لوگوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا: أَيُّهَا النَّاسُ!  
 کوئی تم میں سے ہے جس کا باپ اور جس کا جد پیغمبر خدا ہوں۔ پس اہل مجلس میں صلوات کرے  
 و لکھا بلند ہوئی۔ (مقتل ابی مخنف ص ۱۳۵، بحار جلد ۱ ص ۲۳۱، ریاض القدس ج ۲ ص ۲۵۳)  
 أَقَادُ ذَيْلًا فِي دَمِشْقٍ كَأَنِّي مِنَ الزَّيْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيبُ  
 (امام سجاد علیہ السلام)

گمان کرتا ہے۔ اگر جناب رسالت مآب ہم کو اس حالت میں دیکھیں؟ اور  
 جناب فاطمہؑ، دختر امام حسینؑ نے فرمایا: اے یزید رسول خدا کی بیٹیاں  
 قیدی بنائی گئی ہیں؟ یہ سکر لوگ روئے گئے اور اس ملعون کے گھر والے بھی  
 روئے گئے۔ یہاں تک کہ قصر یزید سے نالہ و لہکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔  
 حضرت فرماتے ہیں: پس میں نے اس قید و بند کی حالت میں کہا:  
 مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت دے۔ یزید نے کہا: کلام کر د لیکن (معاذ اللہ) بے معنی  
 گفتگو نہ کرنا حضرت نے کہا: میں جس مقام پر فائز ہوں مہرے لئے مہمل گفتگو  
 زیب نہیں دیتی۔ اے یزید بتلا کہ تیرا کیا گمان ہے اگر رسول خدا ہم کو اس حال  
 میں دیکھیں۔ یزید نے مصاحبوں کو اشارہ کیا انہوں نے زنجیر کھول دی۔

مصائب صحیح میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مجھ سے میرے والد  
 نے فرمایا کہ میں نے اپنے پدر بزرگوار علی ابن الحسین علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ  
 سفر شام میں کس چیز پر سوار تھے۔ فرمایا شتر بے کجاہ پر اور سر امام حسینؑ  
 ایک نیزہ پر تھا اور عورتیں ہمارے پیچھے ایسے پشت برسنہ اونٹوں پر تھیں جن پر  
 کجاہ نہ تھی اور ستم گریزے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہمارے ارد گرد تھے جب  
 کوئی ہم سے دوتا تھا تو تھی قیامت قیامت تھی۔ دمشق تک یہ حال رہا جب  
 داخل شام ہوئے تو ایک شامی نے لپکا کر کہا: اے اہل شام یہ اہلبیت  
 ملعون ہیں (معاذ اللہ)۔

کتاب مناقب میں مذکور ہے کہ کتاب احمر میں اوزاعی سے نقل کیا ہے  
 کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام شام میں یزید کے پاس گئے اس ملعون  
 نے ایک خطیب کو حکم دیا کہ اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر جا اور اس کے آبار  
 واجداد کے افعال، ناشائستہ کردار اور جو نافرمانی و سرکشی، انہوں نے ہمارے  
 ساتھ کی ہے بیان کر۔ خطیب یہ سنکر منبر پر گیا اور اس نے کوئی بدی و عیب باقی  
 نہ رکھا (معاذ اللہ)۔

جب خطیب منبر سے اتر اس وقت امام زین العابدین علیہ السلام  
 کھڑے ہوئے پہلے تعریف و ثناء خداوندی کی پھر درود و سلام رسول خدا پر  
 بھیجا۔ پھر فرمایا:

مَعَا يَشْرُ النَّاسُ مَن عَرَفَنِي فَقَدْ عَرَفَنِي  
 وَمَنْ كَرِهَ عَرَفَنِي فَاَنَا عَرَفْتُهُ نَفْسِي  
 لوگو! جو مجھ کو جانتا ہے وہ جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں اسے  
 اپنے کو پہچانے دیتا ہوں۔ انا ابن مکة ومثلي۔ میں مکہ اور مٹی کا  
 فرزند ہوں۔ انا ابن المروة والصفاء۔ میں مروہ و صفا کا فرزند ہوں۔  
 انا ابن من علي فاستعلني فجان سدره  
 المنتهى۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بلند ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ سدرۃ  
 المنتہی سے بھی آگے بڑھ گیا۔

وَكَانَ مِنْ رَبِّهِ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى  
 اور اپنے رب سے اس کا فاصلہ دو کمانوں سے بھی کم رہ گیا تھا۔  
 انا ابن من صلبى بملائكة السماء مثلى  
 میں وہ ہوں جس کے پیچھے ملائکہ آسمان نے دو دو کر کے نماز پڑھی۔

# میر انیس کی رزمیہ شاعری کے چند بند

نوئی وہ تیغ اُدھر یہ چمک کر اُدھر گئی پستی سے یہ پھری تودہ بالائے سر گئی  
بجلی سی کوند کہ یہ بڑھی، وہ ٹھہر گئی ندی تھی، ایک دم میں چڑھی اور اُتر گئی  
آج اس کی تیروں کو شقی کے جلائی تھی  
اس تیغ کی ہوا بھی یہاں پر نہ آئی تھی

سیماب تھا، ہوا تھا، چھلاوا تھا، لہلاہ اس کوند چین تھا نہ اسے ایک جاقرا  
قربان ذوالجناح شہنشاہ نامدار جاتا تھا یوں حریف کے گھوڑے پہ بار بار  
جس طرح جائے شیر گرسنہ غزال پر  
ہر بار تھیں مگلاٹیاں گھوڑے کے بال پر  
ملتی ہوئی کونٹیاں لال آنکھیں منہ میں کف بجلی سا اس طرف تھا کبھی گاہ اس طرف  
جیراں تھی اس کی تیز روی پر اُدھر کی صف تھوں سے تھی، نفس کی صدا یا شہ نجف  
ظالم سے معرکہ جو بڑا تھا لڑائی کا  
مطلب یہ تھا کہ وقت ہے مشککشاٹی کا

گھوڑا کہیں نہ بھول کی جس پر چھڑی پڑی گھوڑی گرہ وہ تیغ نے جب کلچری پڑی  
مضب اس کی جو پڑی وہ زرہ پر کڑی پڑی فوجوں میں شور تھا کہ لڑائی بڑی پڑی  
قوت علی کی ہاتھ میں ہے، اس دلبر کے  
کیوں کر بچائیں حید کو پنجے سے شیر کے

تلوار اُدھر چمک کے چلی آنکھ اُدھر لڑی پستلی سے پتلی اور نظر سے نظر لڑی  
آری تھی وہ جو تیغ سے تیغ دوسر لڑی آپ اس قدر بڑھی کہ سپر سپر لڑی  
ظالم کے سر پہ تیغ کا قرضہ جو پھر پڑا  
جھجکا تو خود، فرق ستم گرسے گر پڑا

بولے یہ مکر کے حسین فلک چشم تھا وار سر سری، سر و گردن کو کر نہ خم  
جھک کر اٹھالے خود، جو ہے رزق کا غم نہ جنگ ہو چلی، نہ اٹھانا بس اب قدم  
آجم کے لڑکے ہم بھی تو دیکھیں ہنر ترا  
بھاگا تو پاؤں گھوڑے کے ہوں گے نہ سر ترا

کھینچی جو اس نے باگ اسٹینے کا سمند سمجھ امام پاک کہ بھاگا، یہ خود پسند  
گریوں نکل گیا تو کہیں گے یہ ہوشمند کس فکر میں تھے شاہ عدویہ و صید بند  
بے زخم کھائے صاف، جفا جو نکل گیا  
پنجے میں آ کے شیر کے، آہو نکل گیا

مغفر اٹکے تیغ سے، بولے امام دیں لے جنگ سر پہ، فرق نہ رکھ خود آپہیں  
شر کی طرف اٹھا کے، البدر غیظا تیغ لیں مغفر کو، بائیں ہاتھ سے لینے لگا لیں  
دیتے ہی خود دست مبارک جو مڑ گیا  
مغفر تو ہاتھ میں رہا سرت سے اڑ گیا

اسے شہسوار ملک سخن صفدری دکھا گیتی کو زلزلہ ہو، وہ زور آوری دکھا  
جمعیت سپاہ کی، پھر ابتری دکھا ہاں زور و شور معرکہ صیدری دکھا  
کٹ جائیں رنگ سینہ اعدا فگار ہوں  
پڑھنے میں دونوں لب جو کھلیں ذوالفقار ہوں

گھوڑا ہواں، جہاں نہ رسائی ہوا کی ہو جو نکلے منہ سے لفظ، وہ قدرت خدا کی ہو  
مصرع ہر ایک تیغ شہ لافستا کی ہو جو چوٹ ہو، بندھی ہوئی، مشککشاٹی کی ہو  
نقشہ ہر صاف تیغ علی کی صفائی کا  
دکھلا دوں ہر دوق میں مرتع لڑائی کا  
یوں کوند کوند کوند صرف اعدا پر آئے جائے ہر استخوان کو مثل ہما، تیغ کھائے جائے  
جب تک کہ دم ہے خون کا دیا ہلے جا بے جہروں کو جو ہر ذاتی دکھائے جائے  
غل ہو نزاع اٹھ تھی فتنہ فرو ہوا  
لگوئے گریں زمیں پہ تو جانے کہ دو ہوا

اسے تیغ ابدار زباں، اور تیسر ہو سر گرم کشت و خون و قتال و ستیر ہو  
دریا لہو کا، وادی ہنگامہ خستہ ہو لگ جائے آگ دشت میں یوں شملہ ریز ہو  
کوڑھیلی سے پاؤں کا، حصہ بتولی سے  
ہاں جنگ فتح کر کے صلہ لوں رسول سے

جب حکم ہو کہ مانگ لے کیا مانگتے تو گر کر ہوں قدم پہ، کہ دنیا میں آبرو  
ارشاد اگر ہو اور بھی کوئی ہے آرزو اس دم کروں یہ عرض کہ یا شاؤ نیک خو  
سب کچھ ہے اختیار شہ مشرقین میں  
مسکن جہاں میں قبر جو احسین میں

مرحب اُدھر ہے شیر کا فرزند اس طرف عمرو اس طرف، نبی کا جگر بند اس طرف  
اس سمت ہے غلام، خداوند اس طرف گلے غرور کے ہیں اُدھر پند اس طرف  
ناصر کہاں عزیزوں کی لاشیں بھی دور ہیں  
تلوار ہے، سپر ہے، فرس ہے حضور ہیں

گھوڑے کو اس نے گت پر ڈالا یہ دور دور کس غیظ سے ہلانے کا سیف بے شعور  
سن سن ہوا یہ ہاتھ لگا کر وہ پُر غرور انباں بتا رہا تھا وہی سے سوئے حضور  
جب اس کے ساتھ کے، سفا غل مچاتے تھے  
رہ رہ کے قبیلہ دو جہاں مکر تے تھے

تعریف بے عمل نے بڑھایا جو اس کا دل گھوڑا اڑا کے، آگیا حضرت کے متصل  
دونوں طرف سے چلنے لگے وار جاں گسل تیغوں کی برق و شرق سے بجلی ہوئی نخل  
عسرت ہوئی کہ خون شجاعوں کے گھٹ گئے  
ڈھالوں کے پڑے اڑ گئے، دستا نے کٹ گئے

سید محمد حسن زید کی جو نپوری

# سلام

کاروان دین حق کو مل گیا رہبر نیا  
ہے سناں پر صورت شبیر پیغمبر نیا

ہر محبت کو آپ کے اے قاسم ناروجناں  
چلے خلد بریں میں گھر نیا، بستر نیا

منزلت حیدر کی کیا ہے یہ بتانے کے لئے  
خود مشیت نے بنایا اپنے گھر میں در نیا

چل نہیں سکتے جو آل مصطفیٰ کی راہ پر  
ڈھونڈ لیں اپنے لئے ملک نیا، رہبر نیا

بند اعدائے کیا پانی، نبی ص کی آل پر  
ظلم کیسا ہے ان پر خالق اکبر نیا

چھین لی ہے تیغ فوج شام سے نہ فرات  
رن میں آئینہ ہوا عباس کا جو رہ نیا

دیکھ کر بے شیر کو دہشت سے روئی فوج شام  
رن میں اصغر بن کے آیا فاتح خیبر نیا

ہنس کے تو نے کر لیا سر کر بلا کا معرکہ  
کار نامہ تھا یہ تیرا اے علی اصغر نیا

بیڑیاں پیروں میں، لوگ خار، منزل شام کی  
راستہ طے کر رہے تھے، عابد مضطر نیا

ہم نے زید کی جب اٹھایا نام مولا پر قلم  
کھل کے آیا سامنے مضمون کا دفتر نیا

پستی میں آئی بڑھ کے جو وہ تیغ پر شر  
گھوڑے کے پاؤں کٹ گئے مثل خیار تر  
اسوار جو کھڑے تھے، وہ بھاگے ادھر ادھر  
پھر گھر کے اضطراب میں کہتے تھے اہل شر  
بھاگو جلازدے کہیں آج اس کی دھار کی  
پھیپھائے ہوئے ہے چمک ذوالفقار کی

فاتے میں دیر تک جوڑے شاہ تشہ کام  
غوق عوق تھے کانپ رہا تھا بدن تمام  
ہاتھوں سے چھوڑ دی تھی جوڑ ہوار کی لگام  
آنکھیں تھیں بند ہانتا تھا اسپ تیز گام  
عش میں سوار ووش نبی کا یہ حال تھا  
بے تھامے، خود فرس سے اترنا محال تھا

دیکھا جو یہ کہ بھاگ گئے رن سے حیلہ ساز  
تلوار رکھ کے میان میں بولے شر حجاز  
مہلت ہے اے حسین پڑھو عصر کی سنار  
یہ آخری ہے بندگی رب بے نیاز  
فکر نجات امت خسیر البشر کرو  
سوکھی زبان کو ذکر الہی میں تر کرو

ناگاہ سوئے لاشیں پس، جا پڑی نظر  
چلائے دل کو تھام کے سلطان بحر و بر  
اکبر اٹھو کہ گھوڑے سے گرتا ہے اب پدر  
سوتے ہو تم دھرے ہوئے رخسار خاک پر  
بھولے پدر کو نیند میں، قربان آپ کے  
اؤ سنار عصر پڑھو ساتھ باپ کے

بیٹے ہو تم امام کے، پوتے امام کے  
کام آؤ مرتے دم، پدر تشہ کام کے  
آتے ہیں پھر پلٹ کے پرے، فوج شام کے  
بٹھلا دو، قبلہ رومے ہاتھوں کو تھام کے  
جاتی رہے سنار بھی، اعدا جو پھر پڑیں  
رعشہ ہے، خود فرس سے جو اتریں تو گر پڑیں

عباس نامدار، ترائی سے اٹھ کے آؤ  
پھٹکتا ہے قلب، جل رہے ہیں سب کے گھاؤ  
چہرہ کو مری زہر پہ، جو پانی کہیں ہے پاؤ  
چلتے ہوئے عدم کے مسافر سے مل تو جاؤ  
ہم سب کے کام آئے ہیں، پیٹے ہیں روئے ہیں  
بارہ پہر ہوئے، کہ نہ لیٹے نہ سوئے ہیں

کیا بافضا یہ سرد ترائی ہے، اب اٹھو  
ہم جاں بلب میں ختم ترائی ہے اب اٹھو  
نرخے میں فوج ظلم کے بھائی ہے اب اٹھو  
عباس دھوپ چہرے پر آئی ہے اب اٹھو  
غفلت کی تم کو نیند ہے شبیر کیا کرے  
میری طرح کسی کو نہ بے کس خدا کرے

تم جب سے چھوٹے، ساعد و بازو میں درگد  
گردن میں، سر میں، آنکھ میں، ابرو میں درگد  
دل میں، کمر میں، سینے میں، پہلو میں درگد  
رگ رگ میں کیا اور کب بن مویں درگد

ہم تم کو کہتے ہیں، ابو میں ہنسائے ہیں  
پیری میں تو جو اوزن کے لاشے اٹھائے ہیں



” فَلَا نَدُبَنَّ عَلَيْكَ صَبَاحًا  
وَمَسَاءً وَلَا بَيْنَ عَيْنَيْكَ  
بَدَلَ الدَّمُوعِ دَمًا...“

( بحار، جلد ۱۰، صفحہ ۲۲، زیارت ناحیہ امام زمانہ )

اے جدِ مظلوم! یقین گامیں آپ پر صبح  
و شام گریہ و زاری کرتا رہوں گا، اور  
نالہ و شیون کرتے ہوئے آنسوؤں کے  
بدلے اشکِ خوئے بہکا تا رہوں گا...

ایسوسی ایشن آف امام مہدی پوسٹ بکس ۵۰۰۶ ممبئی ۹